العلم یہدی الی الحق



المہتاب



مرتبہ

ڈاکٹر سید مشتاق مہدی

العلم یهدی الی الحق... علم حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے

(فرمان امیر المومنینؑ)

المہتاب

مرتبہ

ڈاکٹر سید مشتاق مہدی

بمناسبت پہلی برسی ۱۴، اگست ۲۰۰۷ء

انتساب

اس مٹی کے نام

جس میں والد محترم اور چچا مکرم محوِ آرام ہیں

فہرست

حصہ اوّل "مہرتاب" آراء کی روشنی میں

فہرست

حصہ دوئم ''مہرِ شناب'' علمی کرنوں میں

بڑا ہے درد کا رشتہ

ایک دوست کہنے لگے، انسانی معاشرے کا تمام تر حسن ''احسان'' کے سبب سے ہے اور احسان اس کیفیت کا نام ہے جب پیاسا اپنی پیاس پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ کیفیت جب عمل میں ڈھلتی ہے تو ایثار کہلاتی ہے اور ایثار میں جنوں کا عنصر شامل ہو جائے تو شہادت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ پس معراج انسانی کا سفر احسان سے شروع ہوتا ہے اور ایثار سے ہوتا ہوا شہادت پر منتج ہو جاتا ہے۔ یہی محسن اور یہی شہید قبیلہ بشریت کا وقار اور بھرم ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ محسن دوسروں کیلئے زندہ رہتا ہے جبکہ شہید دوسروں کیلئے جان دے دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا سچ بات کہی آپ نے؛ احسان واقعی اشرف ترین انسانی صفت ہے۔ مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کے فرامین سے بھی آپکی تصدیق ہوتی ہے۔

i۔ **راس الایمان الاحسان الی الناس** ایمان کی بنیاد لوگوں کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

ii. **نعم زادالمعاد الاحسان الی العباد** آخرت کیلئے بہترین زادہ راہ بندگان خدا پر احسان کرنا ہے۔

پھر مولاؑ نے احسان اور ایثار کے باہمی تعلق کو یوں بیان فرمایا:

i. **ایثار غایة الاحسان** احسان کی انتہاء ایثار ہے

ii. **ایثار اشرف الاحسان** ایثار عمدہ ترین احسان ہے

iii. **من احسن الاحسان الایثار** بہترین احسان ایثار ہے

لیکن میرے دوست! آپ نے صنعت کو دیکھا اور صنعت گر کو بھول گئے۔۔۔کون صنعت گر۔۔۔وہی جس کی صنعت ہے روح انسانی

آپ کا توسن فکر تو صورت کی حسن آفرینی کا گرفتار ہو کر رہ گیا اور ان ہاتھوں تک نہ پہنچ پایا جنہوں

نے خاکی پیکروں میں پوشیدہ انسانی جوہر کو تلاش کیا۔ پھر تراشا اور وہ آب و تاب دی کہ جس نے آپ کی فکر و نظر کو خیرہ کر دیا۔ میری مراد ہے ''مکتب کا معلم'' ''مکتب انسانیت کا معلم'' یعنی عالمِ ربانی، جس نے نہ صرف محسنوں اور شہیدوں کو خلعت زیبائی عطا کی بلکہ اس کے فیض رساں ہاتھوں نے معاشروں کو

(i) الصابرین و الصادقین و القانتین و المنفقین و المستغفرین بالا سحار عطا کئے۔ (آل عمران ۱۷)

(ii) الذین ینفقون فی السراء و الضراء و الکا ظمین الغیظ و العا فین عن النا س عطا کئے۔ (بقرہ ۲۰۲)

جس خطہ اور عہد کو یہ معلم میسر آ جاتے ہیں وہاں زندگی موت کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہے اور محروم خطہ و عہد کے لوگ موت سے پہلے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ باب مدینۃ العلم نے فرمایا۔

(i) **العلم حیا ۃ** علم زندگی ہے

(ii) **با لعلم تکون الحیا ۃ** زندگی کا وجود علم سے ہے۔

(iii) **اکتسبو العلم یکسبکم الحیا ۃ** علم حاصل کرو وہ تمہیں زندگی عطا کرے گا۔

علم زندگی ہے تو پھر عالم زندہ ہے اور معلم زندگی بانٹنے والا۔ آج ایک ایسے ہی زندہ انسان، زندگی بانٹنے والے انسان کا تذکرہ لکھ رہا ہوں جن سے میرا فکر کا رشتہ بھی اور خون کا بھی۔ وہ پیدا ہوئے تو ماں باپ نے نام ''غلام رسول'' رکھا مگر لوگوں میں ''مہتاب حسین'' کے نام سے جانے اور پہچانے گئے۔ غلام رسول سے مہتاب حسین تک کی مسافت کیسے طے ہوئی؟۔۔۔ قدرت کا حسن انتظام کہیے یا بارگاہِ رسالت سے غلامی کی سند قبولیت۔۔۔

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

آپ ۱۹۲۲ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے بے آب و گیاہ خطہ دامان کے گاؤں رنگپور جنوبی میں پیدا ہوئے۔ اس علاقہ کے بسنے والوں کے سروں پر دھوپ کا سایہ تھا تو سینوں میں پیاس کی جلن۔ صدیوں سے بے شجر و بے سایہ زمین اگر چہ سنگلاخ تھی مگر بانجھ نہ تھی۔ اس کی کوکھ سے جنم لینے والے اس باہمت فرزند نے طلب آب کو طلب علم میں بدل لیا۔ پروا، بدھ رجبانہ لکھنو، جون پور، اور الہٰ آباد تک کی آبلہ پائی کا مقصد تشنگی علم بجھانا تھا۔ بابِ العلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے تھے کہ دوسری عالمگیر جنگ آڑے آئی اور یوں یہ آرزو حسرت ناتمام بن کر رہ گئی۔

اساتذہ میں سے مولانا سید محسن نواب صاحب سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ استاد محترم بھی اپنے شاگردِ رشید پر اسقدر خوش تھے کہ دوسرے طلباء سے فرمایا کرتے تھے ''میں چاہتا ہوں آپ بھی مہتاب جیسے بن جائیں'' وطن واپس لوٹے تو استاد محترم بہ نفسِ نفیس ریلوے سٹیشن پر الوداع کہنے آئے۔ گلے لگایا تو آبدیدہ ہو گئے۔ ایک عقیق یمنی کی انگوٹھی عطا کی اور زندگی میں ایک بار آکر ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ حیاتِ نارسا نے پھر ملاقات کا موقعہ نہ دیا۔ جبکہ انگوٹھی ۱۹۷۶ء میں ایک ندی میں کھو گئی۔ جس دن انگوٹھی گم ہوئی میں نے آپ کو بے حد افسردہ اور مضمحل دیکھا۔ انگوٹھی کے گم ہونے اور استاد سے محرومیِ ملاقات کا افسوس زندگی بھر رہا۔ جس کا تذکرہ بار بار کرتے تھے۔ قبلہ محسن نواب صاحب ہی وہ شخصیت ہیں جن کو زندگی کے آخری دن بھی یاد کرتے رہے اور ان کیلئے دعا مغفرت کی۔

وطن مراجعت فرمائی تو علم کے حقوق ادا کرنے کی سعی شروع کر دی۔ ایک شخص نے حضرت پیغمبرِ اسلامؐ سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہؐ! علم کا حق کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ ''خاموشی سے سننا''۔ پوچھا اس کے بعد تو فرمایا ''دل کے کانوں سے سننا'' پوچھا حضورؐ اس کے بعد تو فرمایا ''یاد کرنا''۔ پھر پوچھا اس کے بعد تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ''اس پر عمل کرنا''۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا اس کے بعد تو آنحضرتؐ نے فرمایا ''نشر و اشاعت کرنا''۔

حقِ علم ادا کرنے کیلئے آپ نے سنا، یاد کیا، عمل کیا اور پھر نشر و اشاعت میں مشغول

نے خاکی پیکروں میں پوشیدہ انسانی جوہر کو تلاش کیا۔ پھر تراشا اور وہ آب و تاب دی کہ جس نے آپ کی فکر و نظر کو خیرہ کر دیا۔ میری مراد ہے "مکتب کا معلم" "مکتب انسانیت کا معلم" یعنی عالمِ ربانی، جس نے نہ صرف محسنوں اور شہیدوں کو خلعت زیبائی عطا کی بلکہ اس کے فیض رساں ہاتھوں نے معاشروں کو

(i) الصابرين و الصادقين و القانتين و المنفقين و المستغفرين بالا سحار عطا کیئے۔ (آل عمران ۱۷)

(ii) الذين ينفقون في السراء و الضراء و الكا ظمين الغيظ و العا فين عن النا س عطا کیئے۔ (بقرہ ۲۰۲)

جس خطہ اور عہد کو یہ معلم میسر آ جاتے ہیں وہاں زندگی موت کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہے اور محروم خطہ و عہد کے لوگ موت سے پہلے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ باب مدینۃ العلم نے فرمایا۔

(i) **العلم حيا ة** — علم زندگی ہے

(ii) **با لعلم تكون الحيا ة** — زندگی کا وجود علم سے ہے۔

(iii) **اكتسبو العلم يكسبكم الحيا ة** — علم حاصل کرو وہ تمہیں زندگی عطا کرے گا۔

علم زندگی ہے تو پھر عالم زندہ ہے اور معلم زندگی بانٹنے والا۔ آج ایک ایسے ہی زندہ انسان، زندگی بانٹنے والے انسان کا تذکرہ لکھ رہا ہوں جن سے میرا فکر کا رشتہ بھی اور خون کا بھی۔ وہ پیدا ہوئے تو ماں باپ نے نام "غلام رسول" رکھا مگر لوگوں میں "مہتاب حسین" کے نام سے جانے اور پہچانے گئے۔ غلام رسول سے مہتاب حسین تک کی مسافت کیسے طے ہوئی؟۔۔۔ قدرت کا حسن انتظام کہیے یا بارگاہِ رسالت سے غلامی کی سند قبولیت۔۔۔۔

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

آپ ۱۹۲۲ء کو ڈیرہ اسماعیل خان کے بے آب و گیاہ خطہ دامان کے گاؤں رنگپور جنوبی میں پیدا ہوئے۔ اس علاقہ کے بسنے والوں کے سروں پر دھوپ کا سایہ تھا تو سینوں میں پیاس کی جلن۔ صدیوں سے بے شجر و بے سایہ زمین اگر چہ سنگلاخ تھی مگر بانجھ نہ تھی۔ اس کی کوکھ سے جنم لینے والے اس باہمت فرزند نے طلب آب کو طلب علم میں بدل لیا۔ پروا، بدھ رجبانہ لکھنو، جون پور، اور الہٰ آباد تک کی آبلہ پائی کا مقصد تشنگی علم بجھانا تھا۔ بابِ العلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے تھے کہ دوسری عالمگیر جنگ آڑے آئی اور یوں یہ آرزو حسرت ناتمام بن کر رہ گئی۔

اساتذہ میں سے مولانا سید محسن نواب صاحب سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ استاد محترم بھی اپنے شاگردِ رشید پر اسقدر خوش تھے کہ دوسرے طلباء سے فرمایا کرتے تھے ''میں چاہتا ہوں آپ بھی مہتاب جیسے بن جائیں'' وطن واپس لوٹے تو استاد محترم بہ نفسِ نفیس ریلوے سٹیشن پر الوداع کہنے آئے۔ گلے لگایا تو آبدیدہ ہو گئے۔ ایک عقیق یمنی کی انگوٹھی عطا کی اور زندگی میں ایک بار آکر ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ حیاتِ نارسا نے پھر ملاقات کا موقعہ نہ دیا۔ جبکہ انگوٹھی ۱۹۷۶ء میں ایک ندی میں کھوگئی۔ جس دن انگوٹھی گم ہوئی میں نے آپ کو بے حد افسردہ اور مضمحل دیکھا۔ انگوٹھی کے گم ہونے اور استاد سے محرومیِ ملاقات کا افسوس زندگی بھر رہا۔ جس کا تذکرہ بار بار کرتے تھے۔ قبلہ محسن نواب صاحب ہی وہ شخصیت ہیں جن کو زندگی کے آخری دن بھی یاد کرتے رہے اور ان کیلئے دعا مغفرت کی۔

وطن مراجعت فرمائی تو علم کے حقوق ادا کرنے کی سعی شروع کر دی۔ ایک شخص نے حضرت پیغمبرِ اسلامؐ سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! علم کا حق کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ ''خاموشی سے سننا''۔ پوچھا اِس کے بعد تو فرمایا ''دل کے کانوں سے سننا'' پوچھا حضورؐ اِس کے بعد تو فرمایا ''یاد کرنا''۔ پھر پوچھا اِس کے بعد تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ''اس پر عمل کرنا''۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا اِس کے بعد تو آنحضرتؐ نے فرمایا ''نشر و اشاعت کرنا''۔

حقِ علم ادا کرنے کیلئے آپ نے سنا، یاد کیا، عمل کیا اور پھر نشر و اشاعت میں مشغول

ہو گئے۔ نشر واشاعت ادائیگی فرض تھی نہ کہ ذریعہء معاش۔ بستی بستی قریہ قریہ جاتے۔ لوگوں کے درمیان رہتے۔ محمدؐ وآل محمدؐ علیہم السلام کا پیغام نشر کرتے۔ وعظ کی صورت میں، پند ونصائح کی صورت میں، قرطاس وقلم کی صورت میں اور خاموش عمل کی صورت میں۔ علم اور خالص عمل سے بھر پور زندگی اور اس میں جذبہ خدمت خلق کی آمیزش، حسن سیرت مہتاب کی کرنوں کی طرح نکھرتا اور بکھرتا گیا۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک بستی میں گئے تو بھرے گاؤں میں مصلّی ندارد۔ آپ نے عبا بچھائی اور قد قامت الصلوٰاۃ کی صدا بلند کر دی۔ وہ دن اور آج کا دن ''حی علیٰ الصلواۃ'' کی صدا تسلسل سے جاری ہے۔ مسجدیں آباد ہیں اور اہلِ قریہ کا ذوقِ عبادت دیدنی ہے۔ اشاعتِ علمِ دین کا ایک انداز یہ تھا کہ مختلف علاقوں میں جا کر طلبِ علم کی ترغیب دیتے۔ آمادہ بچوں کو ساتھ لاتے۔ اپنے ہاں سے قیام وطعام کا بندوبست کرتے اور پڑھاتے پھر ان کو دوسرے مدارس میں بھیج دیتے۔

ارسالِ پیغام محمدؐ وآل محمد علیہم السلام احساس فرض کے ساتھ کیا۔ صلہ نہ ستائش، اغراض نہ مفادات۔ حضرت امام رضاؑ علیہ السلام کا یہ قول ہمیشہ پیش نظر رہا۔ ''آلِ محمدؐ کے ذریعہ لوگوں کے مال نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہیں ذریعہ معاش بنا کر کھانا کفر ہے''۔ استاد محسن نواب صاحب کی نصیحت بھی یہی تھی۔ کہ دین کو ذریعہ معاش نہ بنانا۔ دین برائے حصول دنیا کے رویہ کو ہمیشہ نفرت سے دیکھا۔ آپ نے نشرِ حق کے سلسلے میں نہ تو کبھی حالات سے سمجھوتہ کیا اور نہ ہی سپر انداختہ ہوئے۔ نہ ڈرے، نہ جھجکے، جسے حق جانا اُسے کہہ ڈالا۔ جسے ناحق سمجھا اُسے روکا۔ زبان سے بھی اور ہاتھ سے بھی۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا۔ ''جو شخص اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے برائی کو نہ روکے وہ زندوں میں چلتی پھرتی لاش ہے''۔ اور وہ ایسی لاش بننا نہیں چاہتے تھے۔

مال کی جمع آوری سے ہمیشہ دور رہے۔ کہا کرتے تھے ایک دن قبلہ محسن نواب فرمانے لگے۔ میں آپ کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا ''سنو اور غور سے سنو! امیر وہی ہے جس کا دل امیر ہے جبکہ حقیقی دولت، محبت اہلبیت علیہم السلام ہے''۔ اُس دن سے محبتِ دنیا دل سے نکل گئی۔

اس کا میں بچشم خود گواہ ہوں کہ رزق کے معاملے میں انتہائی قانع اور متوکل علی اللہ تھے۔ اکثر ہمیں یہ نصیحت کیا کرتے تھے۔ ''اللہ نے تم سے آج کی عبادت مانگی ہے تم بھی آج کا رزق مانگو، نہ اس نے کل کی عبادت مانگی ہے۔ نہ تم کل کا رزق مانگو''۔ سیم وزر کو تمام مفاسد اور ابتلاآت کی بنیاد تصور کرتے تھے۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ مجھے سخت بخار آیا جو کئی دن تک نہ اترا۔ پریشانی کے عالم میں والدہ محترمہ سے پوچھا! کیا گھر میں پیسے تو نہیں پڑے؟ والدہ محترمہ جو میرے قریب بیٹھی تھیں نے بتایا۔ ہاں چندسو موجود ہیں۔ کہنے لگے جن کے دیئے ہیں، ان کو دے کر باقی صدقہ کردو اور میری طرف اشارہ کیا'' یہ ٹھیک ہو جائے گا'' پھر وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔

احمد فراز نے کہا ہے ۔ میرا قلم نہیں تسبیح اس مبلغ کی
بندگی کا بھی جو ہر دم حساب رکھتا ہے

لیکن یہ مبلغ بندگی میں کسی حساب کا قائل نہ تھا۔ ایک دن میں نے ذکر اذکار، ورد وظائف کے بارے میں پوچھا تو فرمایا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ذکر واذکار کو صرف عبادت سمجھ کر پڑھا کرو۔ دوسری بات یہ کہ اس میں گنتی کو شامل نہ کرو۔ تم بے حساب ذکر کرو۔ وہ بھی بے حساب عطا کرے گا۔ تیسری بات یہ کہ اُس پر اعتماد کرو وہ تمہیں وہی عطا کرے گا جو تمہارے لیے خیر ہو گا اور تمہاری سوچ کے پیمانوں سے کہیں زیادہ ہو گا۔

احکام واضح اور نظریات سادہ الفاظ میں یوں بیان کرتے کہ بات دل میں اتر جاتی تھی۔ ملک میں تحریک نظام مصطفیٰ کے بڑے چرچے تھے۔ ہر خاص و عام کا موضوع ایک ہی تھا۔ ''سیاست اور حکومت'' یونہی ایکدن میں نے سوال کیا۔ تشیع میں اور خاص کر غیبت امامؑ کے زمانہ میں اصول حکمرانی کیا ہیں اور حق حکومت کس کا ہے۔؟ تو فرمایا'' بات بڑی واضح ہے کہ عرصہ نبوت میں یہ حق نبیؐ کا ہے اور بعد از نبیؐ یہ حق امامِ وقت کو پہنچتا ہے اور غیبت کے دورانیہ میں نائبِ امامؑ کو حق حکمرانی حاصل ہے'' نام لیے بغیر ولایت فقیہہ کا نظریہ انہوں نے انتہائی سادہ اور مختصر الفاظ میں سمجھا دیا۔ اس لیے بعد میں جب انقلاب اسلامی برپا ہوا تو ولایت فقیہہ کا فلسفہ سمجھنے میں مجھے

کوئی دقت نہ ہوئی۔

مہ وسال گزرتے رہے اور زندگی اسی انداز ورفتار سے چلتے چلتے بڑھاپے کی دہلیز تک آن پہنچی۔ روشن آنکھیں ماند پڑ گئیں، راست قامت قدرے خم ہوگئی، طاقتور اور توانا ہاتھوں میں ضعف آگیا۔ مگر زندگی کے اس حصہ میں آخرت کیطرف میلان، دنیا سے نفرت اور موت کی یاد آوری میں شدت آگئی۔ والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کو جس نے زندگی کے کسی حصے میں بھلائی یا احسان کیا تھا۔ یاد کرتے اور دعائے خیر کرتے۔ جاڑیانوالا اور قرب وجوار کی بستیوں میں رہنے والوں کو یاد کرتے تو فرماتے ''خدا ان کو ہمیشہ آباد وشاد رکھے۔ ان لوگوں نے مجھے بہت عزت دی۔ حالانکہ میں یہاں اجنبی تھا'' ترگڑ خاندان کے بزرگوں کو نام بنام یاد کرتے، تشکر واستحسان کے کلمات کے ساتھ، بلندی اقبال کی دعاؤں کے ساتھ اور یہ عمل ۱۳، اگست تک جاری رہا۔

۱۳، اگست کے دن نیم خوابی میں کسی انجانے سفر کی باتیں کرتے رہتے۔ اب میں مشہد پہنچ گیا ہوں۔ میں پہلے بھی یہاں آیا تھا۔ ابھی کربلا جانا ہے پھر اس سے آگے بھی۔ یہ کونسا سفر تھا؟ کہاں تک جانا تھا؟ یہ بات رات بارہ بجکر بیس منٹ پر واضح ہوگئی۔ آپ اس سفر پر روانہ ہوگئے۔ جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آیا۔ یوں مہتاب نے اپنا افق ہمیشہ کیلئے بدل لیا۔ خاندان کے دیگر افراد کیلئے یہ شب شب ہجر اور میرے لیے شب یتیمی ثابت ہوئی۔

بیت گئی جو دل پہ نہ پوچھ ہجر کی شب اور آخر شب

۱۴، اگست ۲۰۰۶ء کی شام میں قبلہ والد صاحب کو چچا مرحوم سید غلام شبیر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ چچا غلام شبیر۔۔ جن کا میں آخری دیدار نہ کرسکا۔ ان سے آخری ملاقات بذریعہ ٹیلی فون مدینۃ الرسولؐ سے ہوئی۔ میں نے صحت کا پوچھا تو کہا۔ بس تمہارا انتظار ہے تم آجاؤ۔ تمہیں دیکھ لوں تو۔۔۔۔۔۔ اور ٹیلی فون کٹ گیا۔ میں ۱۴ فروری ۲۰۰۴ء کو لوٹا تو ائیر پورٹ پر بتایا گیا۔ عمر بے وفا نے ۷ فروری ۲۰۰۴ء سے زیادہ مہلت انتظار نہ دی۔ گھر پہنچا تو والد محترم مصلیٰ پر بیٹھے

تھے۔ مجھے گلے لگایا بس ایک جملہ ہی کہہ پائے۔ بیٹا! سمجھ نہیں آتی آپ کو حج کی مبارک دوں یا چچا کا پرسہ۔۔ اور بہت روئے۔۔ پولیس انسپکٹر رہنے والا شخص۔۔ اختتام ملازمت پر گاؤں آیا تو ''خیر کم من تعلم القرآن و علمه'' کی عملی تعبیر بن گیا۔ صبح شام مسجد میں تدریسِ قرآن میں مصروف رہتے۔ شائد ہی گاؤں کا کوئی بچہ ہو جو ان کا شاگرد نہ ہو ہم گاؤں آتے جاتے تو پہلی اور الوداعی ملاقات مسجد کے دروازے پر ہی ہوتی جہاں وہ بچوں کو تعلیم قرآن دے رہے ہوتے تھے۔ میرے بچوں سے ان کی محویت وانسیت کا یہ عالم تھا کہ جاڑیاں والا جاتے ہوئے میں ان سے پوچھتا۔ کہاں جا رہے ہیں۔ تو سب کا ایک ہی جواب ہوتا۔ بابا شبیر سے ملنے جا رہے ہیں۔

چاند تاروں کا نور تجھ پر برسے
ہر کوئی تیری چاہت کو ترسے

پیاروں کا تذکرہ لکھتے لکھتے قلم تھکا نہیں جی بھرا نہیں لیکن خوف طوالت انقطاع کا تقاضا کر رہا ہے۔ پھر میں لفظوں کا وہ پیراہن بھی تو نہیں تراش سکا جو ان بزرگواروں کی قامت پر پورا اترتا بس اسی اظہار عجز کے ساتھ اختتام کلام کرتا ہوں۔

قارئین کرام! واضح کرتا چلوں کہ ''المہتاب'' کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ والد محترم کی پہلی برسی کی مناسبت سے یادگاری **Souvenir** ہے۔ اس کے دو حصے ہیں پہلا حصہ ''مہتاب آرا کی روشنی میں'' شخصیت و کردار کیسے دیکھا؟ کیسے پایا؟ پڑھیئے گا زبان خلق کیا کہتی ہے۔

دوسرا حصہ ''مہتاب علمی کرنوں ہیں'' اس میں والد محترم کی وہ تمام تحریریں جمع کر دی ہیں جو ان کی ڈائری یا رسالوں سے دستیاب ہو سکیں، جبکہ ان کی بہت سی تحریریں بار بار آنے والے سیلابوں کی نذر ہو چکی ہیں ایک مضمون مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ کا بھی شامل اشاعت کر لیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے والد مرحوم کی روح کو سکون ملے گا۔

تشکر و امتنان کے بے پایاں احساسات رکھتا ہوں ان بزرگوں اور دوستوں کیلئے۔

ا۔ میاں عبدالغنی صاحب:۔ میرے محترم استاد آج میں جو کچھ ہوں اس میں ان کی

تدریسی صلاحیتوں اور دعاؤں کا بہت بڑا دخل ہے۔ ان کے خلوص بھرے مضمون کے بعد میں نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا مصمم تہیہ کرلیا۔

۲۔ سید ارشد علی نقوی صاحب:۔ میرے قابل فخر دوست اور بھائی سب سے پہلا اظہاریہ انہوں نے ''حرف حقیقت'' کے عنوان سے لکھا جو مختلف رسالوں میں چھپ چکا ہے۔

۳۔ مولانا بشیر احمد صاحب:۔ اس کتاب کی تیاری میں میں نے انہیں وقت بے وقت بہت بے آرام کیا لیکن انہوں نے ہمیشہ خندہ روئی سے عربی عبارات کی اصلاح کی اور بعض عبارات کا ترجمہ بھی کیا۔

۴۔ مولانا اعجاز حسین شاکری اور مولانا محمد رضا نقوی:۔ ان دونوں شخصیات نے عربی عبارات کے متن و ماخذ تلاش کرنے میں مدد فرمائی۔

۵۔ محمد ذوالقرنین صاحب:۔ ہماری ساری کاوش کو حسن صوری بخشنے والے اس صالح نوجوان نے باخلاص وعقیدت کام کی انجام دہی تک اپنی تمام مصروفیات کو معطل رکھا۔

۶۔ محمد توقیر خان صاحب:۔ جن کے ٹیکنیکی تعاون کے سبب طباعت کے مراحل طے ہوئے۔

۶۔ مہر غلام محمد کھرل صاحب اور ظفر عباس کھرل:۔ جنہوں نے مجھے تحریک بخشی اور متوجہ کیا اس کام کی بجا آوری کے لیے

۸۔ مولانا سید نصیر حسین ہمدانی صاحب:۔ جنہوں نے میرے دکھ درد کو ہمیشہ اپنا دکھ سمجھا۔

۹۔ ڈاکٹر محمد اقبال مہدی ترگڑ صاحب:۔ جن کے پورے خاندان سے رشتہ اخوت و احترام کی بنیاد مؤدت اہلبیت علیہم السلام کا جذبہ ہے۔

۱۰۔ پروفیسر بشیر احمد اور بلال حسین ملک:۔ جن سے تعلق خاطر زمانہ طالب علمی میں قائم ہوا اور آج تک خالص جذبوں میں کمی نہیں آئی۔

۱۱۔ مولانا اقبال حسین مقصود پوری۔ حب اہلبیتؑ سے سرشار لوگوں کی بستی ''مقصود پور'' والد

محترم کی توجہات کا مرکز رہی، مولانا صاحب اسی بستی کے ایک علم دوست فرزند ہیں۔

۱۲۔علامہ سید ساجد علی نقوی۔ بے پناہ ملی مصروفیات کے باوجود آپ تشریف لائے۔اور اپنے علمی خطاب سے نوازا۔

خداوند کریم ان تمام بزرگوں اور دوستوں کو اپنے بہترین اجر سے نوازے۔

ڈاکٹر سید مشتاق مہدی

۶ جولائی ۲۰۰۷ء بمطابق ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

حرف حقیقت

دنیا میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ا۔ نامور ۲۔گمنام۔ نام ونمود سے بے پرواہ اپنی سادگی میں مست رہنے والے یہ گمنام لوگ ہی معاشرے، قوم اور نسلوں کو وجود بخشتے ہیں اور کردار سازی کے ذریعے سے معاشرے کو نامور افراد عطا کرتے ہیں اور یوں ناموری سے بے نیاز اپنی بے نیاز دنیا میں مسلسل مصروف عمل رہتے ہیں۔ درحقیقت یہی لوگ راہ عظمت کے راہرو ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ عظمت کا سفر کرب سے شروع ہوتا ہے اور کرب ہی پر اسکا اختتام۔۔ یہ تمام خیالات میرے ذہن کو کرید رہے تھے اور یہ وہ وقت تھا جب میں ایک کتاب مستعار لینے کیلئے اپنے ایک دوست (کہ جس سے کئی رشتے ہیں ان سے ایک رشتہ اخوتِ ایمانی کا ہے) کے کمرہ مہمانداری میں بیٹھا تھا۔ کہ اچانک ایک بلند قامت بزرگ تشریف لائے جن کا وقار مجھے احتراماً کھڑا ہونے پر مجبور کررہا تھا۔ کتابی چہرہ اپنائیت لئے ہوئے، کشادہ پیشانی تقدس لیے ہوئے، روشن آنکھیں محبت لئے ہوئے، وہ میری جانب بڑھے۔ پیار سے گلے لگایا اور ساتھ بیٹھ گئے۔ گفتگو شروع ہوئی تو پتہ نہ چلا کہ ان سے یہ میری پہلی ملاقات ہے یا اس سے قبل کئی ملاقاتوں کا سفر طے ہو چکا ہے۔ مگر میرا ذہن بار بار اس خیال کیطرف پلٹ جاتا کہ گمنام لوگ ہی معاشرے قوم اور نسلوں کو وجود بخشتے ہیں۔ یہ بزرگ عالم دین میرے عزیز دوست ڈاکٹر سید مشتاق مہدی کے والد گرامی تھے۔ ۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ، ۱۳، ۱۴ اگست ۲۰۰۶ء کی درمیانی شب جب ایک بج چکا تھا اور میں چنیوٹ میں ایک تنظیمی پروگرام میں شریک تھا، بذریعہ ٹیلیفون انکے انتقال کی اطلاع ملی تو باقی تمام رات آپ کی ذات کے عکس ماضی آئینہ حال میں اُبھرتے رہے۔ عمر رفتہ کی کئی یادیں مدوجذر کیطرح اُبھرتی اور ڈوبتی رہیں۔ ان کا تعارف حاصل کرنا آپ پر فرض اور مجھ پر قرض

ہے۔ روائتی تعارف سے قبل یہ ضرور کہوں گا کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے فرمان ''بہترین علم وہ ہے جو عمل کا روپ دھار لے'' کی عملی تعبیر مجھے سردست ان کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آئی۔ آپ کا اسم گرامی سید مہتاب حسین نقوی تھا آپ کے والد گرامی سید غلام جعفر نقوی ڈیرہ اسماعیل خان کے پسماندہ ترین علاقہ دامان کے گاؤں رنگپور جنوبی میں سکونت پذیر تھے آپ ۱۹۲۲ء کو متولد ہوئے اور اسی گاؤں سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۴ء میں مڈل پاس کیا پھر علم دین کے حصول کیلئے بستی گڈن و دھیوالی بھکر میں حضرت مولانا ہدایت حسین اعلی اللہ مقامہ، سے شرف تلمذ حاصل کیا بعد ازاں تشنگی علم آپ کو رجبانہ تحصیل شورکوٹ میں حضرت مولانا سید فدا حسین نوراللہ مرقدہ کے محضر پر لے گئی جہاں درس نظامی کی تعلیم حاصل کی پھر جنون تحصیل علم آپ کو لکھنو لے گیا جہاں محبت اہل بیت علیہم السلام کے جرم میں گرفتار ہوئے اور چار ماہ تک سیتا پور جیل میں قید رہے، رہائی کے بعد مدرسہ ناصریہ جون پور (یو۔پی) تشریف لے گئے جہاں آپ نے تاج الافاضل اور الہ آباد یونیورسٹی کی طرف سے مولوی عالم اور فاضل فقہ کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے اور یونیورسٹی کی طرف سے خصوصی انعام سے نوازے گئے۔ جون پور میں درج ذیل ماہر اساتذہ سے کسب فیض کیا

۱۔ حضرت مولانا سید محسن نواب فاضل نجف۔۔مدرس اعلی
۲۔ مولانا سید علی سعید
۳۔ مولانا سید معصوم علی فاضل عراق
۴۔ مولانا سید حسین مہدی صدرالافاضل
۵۔ مولانا سید اسد علی فاضل عراق

۱۹۴۵ء میں وطن مراجعت فرمائی تقریباً دو سال تک بیٹ بوگھا، بہل ضلع بھکر میں علوم آل محمدؐ کی اشاعت کرتے رہے پھر یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو الحاج مہر نوازش علی خان ترگڑ کی خواہش پر جاڑیاں والا رنگ پور (کھیڑیا نوالا) ضلع مظفر گڑھ تشریف لائے اور تبلیغ دین اور اقامت صلوٰۃ

میں مصروف ہو گئے۔آپ اپنے استاد مولانا محسن نواب صاحب کی نصیحت (جوانہوں نے رخصت ہوتے وقت آپ کو کی تھی) پر تمام عمر عمل پیرا رہے اور کبھی اسے فراموش نہ کیا۔وہ بہترین نصیحت یہ تھی۔ ''دین کو ذریعہ معاش نہ بنانا''

اس نصیحت پر عمل پیرا رہتے ہوئے آپ نے ۱۹۶۱ء میں مقامی سکول میں بطور عربی مدرس ملازمت کو بغرض معاش اختیار فرمایا۔عہدو پیمان کے انتہائی پابند تھے۔شاید یہی وجہ تھی کہ کئی دیگر علاقوں اور مدارس سے بہترین مراعات کی پیشکش کے باوجود جاڑیانوالاہی کو مسکن بنائے رکھا یہاں آپ کا مہر کرامت علی خان تڑگر، مہر ممتاز علی خان ترگڑ، مہر شاہ محمد ترگڑ اور مہر غلام عباس ترگڑ سے خصوصی احترام واعتماد کا تعلق رہا۔آپ نے انتہائی قناعت اور توکل علی اللہ سے بھرپور زندگی گزاری۔ مال کی جمع آوری سے ہمیشہ دور رہے یہاں تک کہ بوقت رحلت ترکہ میں کوئی چیز قابلِ تقسیم نہ چھوڑی۔آج جب ان کی کتابِ زندگی اختتام پذیر ہو چکی ہے۔اس کتاب کے مندرجات بھی وقت کے ساتھ ساتھ ذہنوں سے محو ہو جائیں گے مگر ان کی کتاب حیات کے سرورق پر کندہ یہ نصیحت جو آپ اپنے فرزندوں اور دیگر عقیدت مندوں کو کیا کرتے تھے میری نظروں سے کبھی اوجھل نہ ہو گی۔

''اللہ نے تم سے آج کی عبادت مانگی ہے تم آج کا رزق مانگو۔نہ اس نے آنے والے کل کی عبادت تم سے طلب کی ہے نہ تم اس سے آنے والے کل کے رزق کا مطالبہ کرو''

دعا ہے خداوند منان آپ کو ناصرانِ دین اور اطاعت گذاران محمدؐ وآلِ محمدؐ سے محشور فرمائے۔شفاعت صدیقہ الکبریٰ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے سرفراز فرمائے۔حقیر اور ان کی اولاد کو آپ کے پند ونصائح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (امین)۔

محتاجِ دُعا

سید ارشد علی نقوی

چیئرمین امامیہ آرگنائزیشن پاکستان

سالگرہ کا کیک

۱۳۔اگست ۲۰۰۶ء کا تھکا ماندہ سورج دھیرے دھیرے افقِ مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا ۔دن بھر کی تکان سے اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔روشن کرنیں بے نور ہوتی جارہی تھیں اور شام کے دھند لکے بڑھتے جارہے تھے۔سورج اگر چہ منزل شب کی طرف رواں تھا۔مگر میں اسی سمے طلوع سحر کا انتظار نہایت بے چینی سے کر رہی تھی۔یعنی ۱۴۔اگست کی روشن صبح کا۔

۱) اس لیے کہ ۱۴۔اگست میرے پیارے وطن کا جنم دن ہے۔

۲) اس لیے کہ ۱۴۔اگست میرے پیارے بھائی محمد علی رضا مہدی کا یوم پیدائش ہے۔

اس دن کو ہم ہمیشہ یوم تشکر کے طور پر مناتے رہے ہیں۔ہم سب امی، ابو، بہن، بھائی اس دن نماز شکر ادا کرتے۔دعائے توسل پڑھتے اور پھر سالگرہ کا کیک کاٹتے۔پیارے محمد علی رضا مہدی کو پھول اور تحائف پیش کرتے۔میں چشم تصور میں اسی منظر کو سجائے بیٹھی تحائف پیک کر رہی تھی۔بالآخر دن بھر چمکنے والے سورج نے رات کی سیاہ چادر اوڑھ لی۔اس رات دادا ابو کی طبعیت کافی سنبھل چکی تھی۔ہم بہت دیر تک ان کیساتھ بیٹھے رہے۔رات ۱۲ بجے ہمیں اُٹھایا گیا تو میں نے دیکھا کہ خوشیوں بھرے گھر پر سوگ کا راج تھا۔ابو دادا جان کیلئے مصنوعی تنفس کی کوشش کر رہے تھے ۔مگر بے بس سے لگ رہے تھے۔۱۲:۲۰ پر ان کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں اور روندھی ہوئی آواز میں کہا۔انا للہ و انا الیہ راجعون.(رضاً بقضاہٖ و تسلیماً لامرہٖ). اور پھر ہمارے خاندان میں وحدت کی علامت، ہمارے وقار کا مہتاب موت کی وادی میں اُتر گیا۔

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہم نے قرآن مجید کھولے اور اُن کے سرھانے مصروف

تلاوت ہو گئے۔ محمد علی رضا، حسن رضا مہدی، حسین رضا مہدی، عابد رضا مہدی اور رُخِ زہرا سبھی حلقہ بنائے بچشم گریاں تلاوت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اذان صبح ہونے لگی۔ آہ! پابندی وقت کے ساتھ نماز ادا کرنے والا نمازی آج اذان کی آواز سُننے کے باوجود بے حس وحرکت لیٹا ہوا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح پکاریں۔ گل بی بی! میرے لیے مصلےٰ اور جائے نماز بچھاؤ مجھے نماز پڑھنا ہے۔۔۔۔۔ مگر میری یہ چاہت حسرت بن کر رہ گئی۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ اُٹھی اور ادائیگی نماز کیلئے کھڑی ہو گئی۔ علی رضا، حسن رضا، حُسین رضا اور عابد رضا نے بھی مصلےٰ بچھا لیے تھے۔ سب کے لبوں پر ایک ہی دُعا تھی۔ **بار الٰہا!** ہمارے دادا نے زندگی بھر لوگوں کو نماز یاد دلائی۔ آج ہم تیرے حضور بحالت نماز حاضر ہیں تو یہ انہی کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے وہ تو ایام بیماری میں بھی نماز کیلئے بے چین رہتے تھے۔ اے ہمارے کریم ورحیم رب! دادا جان کو نمازیوں میں شمار فرما۔

حزین دل کے گوشے میں ایک خیال اُبھرا۔ یا خدا! یہ کیسی صبح ہے یہ وہ صبح تو نہیں کہ جس کا انتظار تھا۔ اس کا اُجالا تو داغ داغ ہے۔ یہ سحر تو شب گزیدہ سحر ہے۔ پھر علی رضا کی سالگرہ کا کیک اور پھول یاد آئے۔ میں مصلےٰ سے اُٹھی۔ پھولوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور آدھے پھول دادا جان پر نچھاور کر دیئے۔ علی الصبح ہم سب جاڑیانوالہ اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں پر آخری مراسم ادا کرنے تھے۔ کربلا کے پیامی کو کربلا سے لایا ہوا کفن پہنایا گیا۔ خاکِ شفا کفن میں رکھی گئی۔ عزیزوں، سوگواروں اور عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں انہیں اپنے بھائی سید غلام شبیر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

انسان دوستی، خدا ترسی، احسن مقالی اور خوش خصالی دادا جان کی تعارفی جہتیں ہیں۔ مگر ان کا حقیقی تعارف یہ ہے کہ وہ مہتابِ حُسین تھے۔ جس طرح چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے، پھر وہی روشنی استفادہ عام کیلئے کائنات میں بکھیر دیتا ہے۔ بالکل اُسی طرح وہ بھی افکار حسینؑ

اور کردار حسینؑ سے روشنی جذب کرتے اور پھر معاشرے میں منعکس کر دیتے تھے۔
سالگرہ کا کیک اور سالگرہ کے پھول۔۔۔۔۔۔۔۔۔سالگرہ کا کیک تیسرے دن ختم میں رکھوا دیا اور پھول میں اپنے امی ابو اور بہن، بھائیوں کے ساتھ مرقد پر جا کر ڈال آئی۔ایک مشت خاک اُٹھا کر پہلے آنکھوں سے لگائی۔پھر ماتھے پر مل کر بس اتنا ہی کہہ سکی۔

تیرے بغیر جی تو رہی ہوں مگر یہ دل
صحرا کی چاندنی کی طرح سوگوار ہے

سیدہ گل زہرا نقوی

''نمازتہجد اور عقیق کی انگوٹھی''

۱۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو جب میں کالج سے گھر واپس آیا تو میرے والد صاحب نے مجھے مہمان خانہ میں کچھ مہمانوں کو پانی پلانے کیلئے بھیجا۔ جب میں اپنے مہمان خانہ میں داخل ہوا تو سبھی مہمان سوائے ایک مہمان کے میرے شناسا تھے اور وہ سبھی اُسی ایک مہمان کیلئے جمع تھے یہ معزز مہمان سیاہ عبا اور سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ اُنکی شخصیت اتنی پُرکشش تھی کہ جی چاہتا تھا کہ بندہ اُن کے قدموں میں جھک کر سلام کرے اور جونہی میں نے جُھک کر اُنہیں سلام کرنا چاہا تو اُنہوں نے اُٹھ کر مجھے گلے لگا لیا اور ہمارے محترم بزرگ ملک ربنواز اعوان (مرحوم) نے میرا تعارف کروایا کہ صاحب خانہ کے چھوٹے فرزند ہیں۔ اور بی ایس سی کر رہے ہیں اُنکا یہ فرمانا تھا کہ قبلہ صاحب نے فوراً پوچھا کہ مشتاق مہدی جو نشتر میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہیں، سے واقف ہیں؟ میں نے جواب دیا قبلہ وہ تو میرے محسن اور مخلص دوست ہیں آپ نے فرمایا میں اُنکا والد ہوں یہ سُن کر خوشی کی انتہا نہ رہی گھر واپسی پر مجھے والد صاحب نے بتایا کہ مولانا صاحب کا نام سید مہتاب حُسین شاہ صاحب ہے۔ جامعتہ المفید تلیری میں نظامت کے فرائض سرانجام دیں گے۔ اس وقت تک ہمارے ہاں قیام کریں گے۔ جب تک کہ جامعتہ المفید میں رہائش کا بندوبست نہیں ہو جاتا۔

تقریباً تین ماہ تک قبلہ صاحب ہمارے ہاں مہمان رہے میں اُنکے زہد وتقویٰ اور شخصیت سے بے حد متاثر ہوا۔ سید علیہ الرحمتہ کی زندگی کا ہر پہلو اُن کے آباؤ اجداد کے کردار کا آئینہ دار اور اُنکی سیرت کا ہر رُخ آئمہ اطہارؑ کی پاکیزہ زندگیوں کا نمونہ تھا۔ وہ اپنے علمی تبحر، پاکیزگی اخلاق، حسن سیرت اور استغناءِ نفس کی دلاویز اداؤں میں اتنی کشش رکھتے تھے کہ نگاہیں انکی خوبی وزیبائی پر جم کر رہ جاتی تھیں اور دل اس ورثہ دار عظمت و رفعت کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

جب ہمیں قبلہ صاحب کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تو وہ میرا زمانہ طالبعلمی تھا اور وہ بھی کالج کا وہ دور جس کے متعلق شاعر نے لکھا ہے کہ

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لیکن قبلہ صاحب نے ان تین ماہ میں میری وہ تربیت کی کہ جس کا اثر آج تک مجھے حصار میں لئے ہوئے ہے۔ پابندی سے نماز تہجد، تلاوت اور تعقیبات اُن کا شیوہ تھا ہم میں بھی قبلہ صاحب یہی جو ہر دیکھنے کے خواہشمند رہتے اور اُن امور کو پابندی کے ساتھ بجالانے کی تاکید کیا کرتے تھے۔لیکن زمانہ طالبعلمی کی وجہ سے یہ امور بہت گراں محسوس ہوتے تھے۔اُنکی شخصیت ایسی تھی کہ انکار کی گنجائش ہی نہ تھی ان تین ماہ کے دوران میں نے اُن سے کچھ ایسے واقعات بھی دیکھے۔جن کی وجہ سے اُنکی شخصیت میرے لیے بہت ہی متاثر کُن ہوگئی اور میں اُنکی روحانیت کا قائل ہوگیا۔

میں یہاں صرف تین واقعات پیش کرتا ہوں۔

ا۔ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ قبلہ صاحب نماز تہجد کی بڑی تاکید کرتے تھے اور میرے لیے صبح سویرے اُٹھنا۔۔۔۔؟ ایک رات میں کچھ دوستوں کے ساتھ دیر سے گھر آیا اور صبح نہ اُٹھنے کیلئے جان بوجھ کر چپکے سے گھڑی کا الارم بند کر دیا تا کہ نہ صبح بجے گا نہ جاگ ہوگی۔لیکن قبلہ صاحب کی تو وقت پر جاگ ہوگئی مجھے شاید اس وجہ سے نہ اُٹھایا کہ نیت صحیح ہوتی تو آلارم بند نہ کرتے۔تھوڑی دیر بعد ابا جان جب خود گرم پانی لیکر قبلہ صاحب کیلئے حاضر ہوئے اور مجھے سویا ہوا دیکھا تو ناراض ہوئے۔میں نے گھڑی کے خراب ہونے کا بہانہ بنایا قبلہ صاحب نے فرمایا گھڑی تو ٹھیک تھی لیکن نیت ٹھیک نہیں تھی۔گویا وہ گھڑی کے بند کرنے سے دل کی بات بھانپ گئے۔اس لیے زبردستی نہ اُٹھایا۔

۲۔قبلہ صاحب مُجھے اکثر حاجی صاحب کہہ کر پکارتے تھے میں عرض کرتا تھا کہ قبلہ

صاحب میں نے تُو حج نہیں کیا آپ فرماتے تھے تو ضرور حج کرے گا۔ اس وقت بظاہر ادائیگی حج کے لیے نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی اسباب۔ یہ انہی کی زبان کی اثر آفرینی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج میں یہ سعادت حاصل کر چُکا ہوں۔

۳۔ اُنکی زندگی کا ایک یادگار واقعہ جو میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ یہ ہے کہ اگست ۱۹۹۰ء میں جب میں زیارت کیلئے ایران جانے لگا تو میرے دوست ڈاکٹر سید مشتاق مہدی صاحب مجھے الوداع کرنے کیلئے آئے تو میرے ذمہ ایک دُعا لگائی کہ مشہد میں ان کیلئے یہ دُعا کروں۔ میں جب مشہد مقدس میں امام رضا علیہ السلام کے روضہ پہ پہنچا تو دوستوں کیلئے بہت دُعائیں مانگیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے بارے میں وہ مخصوص دُعا میں بُھول گیا۔ مشہد میں قیام کے دوران ایک رات صحنِ طوسی میں نیم خوابی کی حالت میں دیکھا کہ قبلہ صاحب روضہ اقدس امام رضا علیہ السلام سے باہر آ رہے ہیں وہ میرے پاس آئے اور فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کو تو آپ بالکل بھول گئے ہیں اُنہوں نے جو دُعا ذمہ لگائی ہے وہ نہیں مانگی۔ میں بیدار ہوا تو اُنکی بات میرے ذہن میں موجود تھی اور فوراً حکم کی تعمیل کی۔

وہ ہمیشہ مُجھے اس بات کی بھی تلقین کرتے تھے کہ ہاتھ میں عقیق کی انگوٹھی ضرور ہونی چاہیے۔ اپریل ۱۹۸۹ء کی بات ہے کہ میں بطور ناظم عملی امتحان کیمسٹری رنگ پور ہائی سکول گیا تو ڈاکٹر صاحب کے پاس جاڑیاں والا میں بھی ایک رات گزاری۔ جب قبلہ صاحب کو ملا تو قبلہ صاحب نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ ہاتھ خالی نہیں ہونا چاہیے اس میں عقیق کی انگوٹھی ضرور ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ علامات مومن میں سے ہے۔ خالی ہاتھ اچھا نہیں لگتا۔ یقیناً میں جب اُنہیں یاد کرتا ہوں تو یہ دو باتیں میرے ذہن میں آجاتی ہیں۔ نماز تہجد اور عقیق کی انگوٹھی۔

اب قبلہ محترم ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں اور بارگاہ رب العزت میں شرف یاب ہو چکے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نابغہ روزگار ہستیاں بہت عرصہ کے بعد دنیا میں آتی ہیں۔ اور اُن کی علمی

ضیاپاشیوں سے مستفیض ہونے والے لوگ اپنی ساری زندگی انکی یاد میں بسر کر دیتے ہیں۔قبلہ صاحب واقعی ان لوگوں میں سے تھے جو دین الٰہی اور مذہب اہلبیتؑ کی ترویج،نشرواشاعت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔اور بارگاہ رب العزت میں سرخروئی حاصل کرتے ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنکے درجات بُلند فرمائے اور محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کے ساتھ محشور فرمائے۔

بلال حسین ملک
ایس۔ایس۔ٹی (سائنس)
ڈسٹرکٹ ٹیچر،ایجوکیٹر،مظفرگڑھ

تیری جدائی میں۔۔۔مولوی مہتاب حسین صاحب رحمۃ اللہ

آپ ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب قصبہ رنگ پور جنوبی میں پیدا ہوئے آپ کا تعلق خانوادہ سادات سے تھا۔آپ کے بزرگوں کا پیشہ کاشتکاری تھا۔آپ کا سن پیدائش ۱۹۲۲ء ہے۔ پیدائش پر والدین نے آپ کا نام سید غلام رسول تجویز فرمایا۔آپ کی اسناد اور سکول ریکارڈ سے یہی نام ثابت ہے۔آپ کے فرمان کے مطابق جب آپ جون پور (یو پی انڈیا) میں زیر تعلیم تھے تو آپ کے ایک استاد محترم نے آپ کی تعلیمی قابلیت اور ذہانت کے پیش نظر آپ کو مہتاب کا خطاب دیا۔اسی وجہ سے آپ اپنے اصل نام کی بجائے مہتاب حسین کے نام گرامی سے معروف ومشہور ہو گئے۔آپ کا تعلق فقہ جعفریہ کے علماء سے تھا۔آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے قصبہ رنگ پور کے سکول سے کیا۔مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے ضلع جھنگ کے ایک قصبہ بدھ رجبانہ میں تشریف لائے۔ جہاں پر شیعہ مسلک کی ایک دینی درسگاہ تھی۔ جہاں پر کچھ عرصہ آپ تعلیم حاصل کرتے رہے۔لیکن پیاس نہ بجھی۔یہی تشنگی علم آپ کو ہندوستان کے شہر جون پور (یو پی) لے گئی۔وہاں کافی عرصہ رہ کر دینی علوم پر مکمل دسترس حاصل کی۔عربی زبان میں مزید مہارت کا شوق پیدا ہوا۔تو وہیں اپنے مدرسہ میں رہ کر ہندوستان کی الٰہ آباد یونیورسٹی سے عربی زبان کی (مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل) کی اسناد حاصل کیں۔کچھ عرصہ متحدہ ہندوستان کے مختلف دینی مدارس میں تعلیم وتدریس کے عمل کو جاری رکھا۔لیکن آخرکار اپنے وطنِ مالوف ڈیرہ اسماعیل خان واپس لوٹ آئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ انہی ایام میں، میں ایک روز ڈیرہ اسماعیل خان بازار سے گذر رہا تھا۔کہ ایک سال خوردہ بزرگ نے مجھے روک لیا۔مجھے گلے لگایا اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور مجھ سے میرا نام لیکر پوچھا کہ آپ نے مجھے پہچانا؟ اس وقت تک میں انہیں پہچان چکا تھا۔وہ میرے ایک ہندو استاد تھے۔جن سے میں نے مڈل کلاس میں تعلیم حاصل کی تھی۔وہ بڑے خوش

ہوئے اور فرمایا۔ غلام رسول آج میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ علم کا ننھا پودا جو میں نے لگایا تھا آج اُسے پھلا پھولا دیکھ رہا ہوں۔ آپ بہت بڑے عالم ہو گئے ہیں۔ پھر وہ مجھے ایک مسلم ہوٹل میں لے گئے اور چائے سے میری تواضع کی۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا۔ مگر طلب علم اور فروغ علم کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی وعظ کی صورت میں اور کبھی تدریس کتاب کی صورت میں۔ یکم دسمبر ۱۹۴۷ء میں آپ تحصیل و ضلع مظفر گڑھ کے موضع چک فرازی کے ایک قصبہ جاڑیا نوالہ میں آکر آباد ہو گئے۔ یہاں پر راجپوت ترگڑ جو صاحب حیثیت زمیندار ہیں۔ انہوں نے آپ کی سرپرستی کی۔ آپ نے یہاں پر ایک عالم دین، خطیب، اور پیش نماز کی حیثیت سے زندگی کے آخری ایام تک وقت گزارا۔ آپ کے اس علاقہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد آپ کے خاندان کے کچھ دیگر افراد بھی یہاں آکر آباد ہو گئے۔ جنہوں نے اپنا ذریعہ روزگار کاشتکاری سے جوڑے رکھا۔ آپ کے خاندان کے دیگر افراد جو یہاں آکر آباد ہوئے۔ نہایت شریف النفس، صلح جو اور خوش اخلاق ہیں۔ علاقہ کے لوگ ان کی بڑی قدر اور عزت کرتے ہیں۔ اس خاندان کے افراد کے قول و فعل میں یکسانیت ہے۔ خصوصاً مولوی صاحب کے بیٹے صورت و سیرت میں مولوی صاحب کی سچی تصویریں ہیں۔ جو اب دینی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم سے بھی آراستہ ہیں۔

درس نظامی سے مروجہ تعلیمی ادارہ کی طرف رغبت

جاڑیا نوالہ کا قصبہ جہاں پر آپ رہائش پذیر تھے۔ وہاں پر ایک مڈل سکول تھا۔ جو مڈل سکول امیر پور کنکا کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہاں پر راقم کے والد محترم میاں عبدالرزاق صاحب بطور ہیڈ ماسٹر کام کرتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف کے ہمارے خاندان سے بھی بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ کیونکہ علاقہ میں یہ واحد اہل علم لوگوں کا گھرانہ تھا۔ سکول میں عربی مدرس کی کمی کے پیش نظر میاں عبدالرزاق نے مولوی صاحب کو بطور عربی مدرس کام کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ یہ گورنمنٹ کی ملازمت ہے اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ چنانچہ کچھ روز تامل کے بعد مولوی صاحب

نے اپنی تینوں اسناد (مولوی، عالم، مولوی فاضل، فقہ) جو الہٰ آباد یونیورسٹی سے حاصل کی گئی تھیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے حوالے کر دیں۔ اور ملازمت کی رضامندی کا اظہار بھی کیا۔

ملازمت کے لیے درخواست کے ساتھ تعلیمی اسناد کی نقول کا پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس دور میں ٹائپ اور فوٹو سٹیٹ مشین ابھی منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ چنانچہ والد محترم نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب کی اسناد قلم سے لکھ کر نقل مجھے دے دیں۔ میں ان کی تصدیق محکمہ تعلیم کے کسی آفسر سے کروالوں گا۔ چنانچہ نقول اسناد اور اصل سندات والد صاحب مظفر گڑھ محکمہ تعلیم کے دفتر لے گئے اور درخواست لکھ کر افسر مجاز کے پیش کر دی۔ اور ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز سے مولوی صاجب کی ملازمت کا آرڈر ساتھ لائے۔ اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ مولوی صاحب کو میں نے بطور عربی مدرس سکول میں تعینات کروالیا ہے۔ اگلے روز جب والد صاحب سکول جانے لگے تو راستہ مولوی صاحب کے ڈیرے سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور وہ ڈیرہ پر حقہ نوش فرما رہے تھے۔ انہیں تعیناتی کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ حُقہ میں پیتا ہوں۔ آپ شلوار پہن کر آئیں۔ تا کہ آج ہی سے آپکی حاضری ہو جائے چنانچہ مولوی صاحب گھر سے تیار ہو کر آ گئے۔ دونوں احباب اکٹھے سکول پہنچ گئے۔ ادارہ کے تمام اساتذہ نے آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اور مولوی صاحب نے اپنی پہلی تنخواہ پر سٹاف مدرسہ کو خورد نوش سے بھی نوازا۔ اب آپ کا سکول جانے اور آنے کا سلسلہ والد صاحب کے ساتھ جُڑ گیا اور یہ سلسلہ تقریباً والد محترم کی وفات تک جاری رہا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۶۴ء کو والدِ محترم بوجہ عارضہ قلب وفات پا گئے۔

میرا تقرر بطور ہیڈ ماسٹر امیر پور کنا ستمبر ۱۹۶۴ء کے پہلے ہفتے میں ہوا میں تقریباً دس سال اس سکول میں ہیڈ ماسٹر رہا بعد ازاں ۳۱ مئی ۱۹۷۴ء کو گورنمنٹ ہائی سکول رنگ پور میں میرا تبادلہ ہو گیا۔

مولوی صاحب بحیثیت اُستاد

بحیثیت ایک استاد کے آپ کا درجہ اعلیٰ وارفع رہا۔ جماعت کے ہر طالب علم کی طرف آپ کی انفرادی توجہ ہوتی اور اوقات مدرسہ کی آپ سختی سے پابندی کرتے۔ امتحانات کے دنوں میں سکول کے بند ہونے کے بعد تک بھی بچوں کو مطالعہ میں مصروف رکھتے۔ عربی زبان کی گرائمر پر

خاص توجہ دیتے۔آپ کے چند شاگرد جو سول اور فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اُن کی رائے میں استاد محترم نے جو عربی گرائمر ہمیں مڈل سٹینڈرڈ تک پڑھائی۔اس سے ہمیں قرآن حکیم کے ترجمہ سمجھنے میں بہت سہولت ہوئی۔سکول کے علاوہ گھر پر بھی آپ بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

میرے ساتھ اُن کی ذاتی شفقت ومحبت

قبلہ مولوی صاحب میرے والد صاحب سے تعلقات کی بنا پر اور اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے مجھ پر بڑے مہربان اور شفیق تھے۔ میں نے اپنے بھائی محمد اشرف کو محکمہ زراعت میں فیلڈ اسٹنٹ کورس میں بھرتی کروانا تھا جس کا سکول رحیم یار خان میں واقع ہے۔معلوم ہوا کہ وہاں پر پرنسپل گردیزی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ میں نے اس بارے میں آپ سے ذکر کیا۔تو فرمانے لگے ملتان شاہ گردیز میں میرے ایک استاد آغا سید فدا حُسین صاحب خطیب اور پیش نماز ہیں۔کل ہی ہم ملتان جا کر اُن سے بات کریں گے۔ چنانچہ اگلے روز میرے علاوہ میرے ایک دوست ماسٹر محمد رمضان (مرحوم) اور جناب مولوی صاحب ہم تینوں ملتان شاہ گردیز پہنچ گئے۔اور آپ کے استاد محترم آغا سید فدا حُسین صاحب سے ملے اور اپنا مدعا بیان کیا چنانچہ انہوں نے گردیزی خاندان کے سربراہ کو بذریعہ ملازم اطلاع بھجوائی۔تو دھیمے لہجے کے ایک خوش لباس اور خوش گفتار سید صاحب تشریف لائے۔اس نشست میں ایک وکیل صاحب بھی آ گئے۔جنہوں نے دوران گفتگو مولوی صاحب سے پوچھا۔آپ جس آدمی کی سفارش کر رہے ہیں۔آیا کہ وہ شیعہ ہے یا سُنی۔مولوی صاحب نے کہا وہ سُنی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔تو وکیل صاحب نے کہا بہتر ہوتا اگر آپ کسی شیعہ آدمی کی سفارش کرتے۔یہ بات سُن کر مولوی صاحب کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ اور فرمانے لگے۔وکیل صاحب آپ فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں اور سخت الفاظ میں اُسکی سرزنش کی۔یہ واقعہ جہاں فرقہ واریت سے بالاتر اُنکے اخلاق اسلامی کا مظہر ہے وہاں یہ میرے ساتھ اُنکی محبت اور شفقت کا والہانہ اظہار بھی ہے۔اسکے علاوہ بھی موضع مقصود پور میں مجلس عزا

کے سلسلہ میں انکا آنا جانا رہتا تھا۔ ہمارے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے تو ہماری خیریت و عافیت معلوم کرتے جاتے اس وقت وہ ہم میں موجود نہیں لیکن ایک اچھے انسان، مہربان اور شفیق کی کمی محسوس ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اُنکی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مذہبی راہنما کی حیثیت سے آپکا مقام

ایک مذہبی راہنما کی حیثیت سے آپ شیعہ اور سنی ہر طبقہ میں مقبول شخصیت کے مالک تھے۔ عیدین پر جب بھی چاند کا مسئلہ پیدا ہوتا تو دونوں فرقے آپکی رائے پر صاد کرتے۔ ایک شخص جس کے قول اور فعل سے علاقہ کے لوگ تنگ تھے۔ وہ ایذا پسند اور انتہائی بدکردار آدمی تھا۔ وہ مرا تو اُسکے عزیز و اقارب آپکے پاس جنازہ پڑھانے کے لئے آئے۔ آپ نے جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ جس شخص نے تمام زندگی حرام کاری کی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تنگ کیا اور بے عزت کیا میں اسکا جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔ بعد ازاں وہ لوگ احمد پور سیال درس گاہ میں گئے اور وہاں کے علماء کو جنازہ پڑھانے کیلئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے علاقہ میں مولوی مہتاب حسین ہیں آپ اُن سے کہیں۔ انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب نے انکار کر دیا ہے۔ تو درس گاہ کے علماء نے جواب دیا کہ اسکی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ لہذا ہماری طرف سے بھی جواب ہے۔ اسی طرح علاقہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اغوا شدہ عورتیں اپنے گھر میں بٹھا رکھی تھیں۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ مولوی صاحب نئے نئے آئے ہیں ان سے نکاح پڑھوا لیتے ہیں۔ اس بات کی خبر جب علاقہ کے سُنی مولوی کو ہوئی تو انہوں نے مولوی مہتاب حسین کو بتا دیا کہ ان اغوا شدہ عورتوں کا نکاح اُنکے اصل خاوندوں سے میں نے پڑھایا تھا اور ان عورتوں کے اصل خاوند تا حال زندہ ہیں اور انہوں نے اپنی عورتوں کو طلاق بھی نہیں دی۔ مولوی صاحب یہ بات سُن کر بڑے حیران ہوئے۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ لوگ مولوی صاحب کے پاس آئے اور اپنا مدعا

بیان کیا کہ پہلے سُنی مولوی نے ہمارا نکاح پڑھا تھا اب ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق شیعہ مولوی ہمارا دوبارہ نکاح پڑھے۔ آپ نے فرمایا نکاح جو ایک دفعہ پڑھا گیا وہ کافی ہے۔ دوبارہ نہیں پڑھا جا سکتا۔ خواہ وہ کسی فرقہ کے عالم نے کیوں نہ پڑھایا ہو۔ جن عورتوں سے آپ مجھ سے نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں اُنکے اصل خاوند زندہ ہیں اور انہوں نے انکو طلاق بھی نہیں دی جن عورتوں کو آپ نے اپنے گھر میں بٹھا رکھا ہے آپ اُن سے زنا کر رہے ہیں۔ آپکی اُن سے اولاد حرام کی ہے۔ آپ لوگ مجھے دھوکا دیکر اپنے گناہ میں ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر آپ مشتعل اور مُضمحل ہو گئے اور کہا کہ دفعہ ہو جاؤ تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ تمہاری کوئی عبادت قابل قبول نہیں۔

ایک دفعہ نواحی بستی موضع کڑی علی مردان میں شیعہ سنی مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کا کوئی نتیجہ کیا نکلتا؟ ہر فریق نے اپنی ہی کامیابی کا اعلان کر دیا اور معاملہ نعرہ بازی پر ختم ہو گیا۔ میں اور مولوی صاحب بھی اس مناظرہ میں موجود تھے۔ اس کے اگلے روز میں نے آپ سے پوچھا یہ مناظرہ کیسا تھا؟ ہر دو نے اپنے اپنے فریق کی کامیابی کا اعلان کر دیا اور معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔ مسکرا کر فرمانے لگے یہ ایک علمی اور تاریخی بحث ہوتی ہے۔ جسکا کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوتا۔ ہر فریق اپنی بات پر قائم رہتا ہے پھر انہوں نے ایک خوبصورت بات کہی جو مجھے بہت پسند آئی۔ فرمایا ''اصل بات اخلاق اور اعمال ہیں جو لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں''

گرمیوں کی ایک سخت دوپہر تھی۔ مولوی صاحب، میں اور میرے ایک دوست ملک محمد رمضان مرحوم سکول میں شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ ایک فقیر آیا، سکول کے نلکا سے پانی پیا اور چلتا بنا۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ بے کس آدمی یقیناً بھوکا بھی ہوگا۔ اور قریب قریب اسے کھانا بھی کہیں سے نہیں ملے گا۔ میں نے ملازم کو بلایا اور اُسے ایک روپیہ دیکر کہا کہ اس فقیر کو دے دو۔ اتنے میں وہ ہمارے سکول کی حدود پار کر گیا۔ خیر نوکر بھاگ کر گیا اور اسے روپیہ دیکر واپس آ گیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ رزق کو پر لگا دیتا ہے اور وُہ انسان کے پیچھے پیچھے

بھا گتا ہے۔اب اس فقیر کو خبر بھی نہیں کہ اُسکا رزق کہاں سے اسکے پیچھے چلا آ رہا ہے''۔

آپکو غنا سے سخت نفرت تھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ کانوں کا زنا ہے۔اُن دنوں ٹرانسسٹر عام اور سستا ہو گیا تھا ہر گدھا گاڑی والا اور کھیتوں میں کام کرنے والے کسان کے ہاتھ میں ریڈیو ہوتا تھا۔شام کو جب گھر جانے لگتے اور اچانک کہیں سے گانے کی آواز آجاتی تو کانوں میں انگلیا ں دبا لیتے اور ماسٹر محمد رمضان مرحوم جو اکثر ساتھ ہوتے تھے۔انہیں کہتے کہ جب گانے کی آواز ختم ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔یہ انکے تقویٰ اور پرہیزگاری کا عالم تھا۔آپکا وصال ۱۳،۱۴ اگست ۲۰۰۶ کی درمیانی شب کو ہوا۔

تیری جدائی میں اے مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
پر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

میاں عبدالغنی بھٹی

ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر، گورنمنٹ ہائی سکول رنگ پور

ایک عقیدت مند، ایک احسان مند

عشق منزل کے رُخ کا غازہ ہے　　　اور عقل راستے کو صاف کرتی ہے
زندگی پر جو لوگ چھاجائیں　　　موت اُن کا طواف کرتی ہے

نہ جانے کتنے مہتاب اس چرخ کہن کے نیچے دفن ہو گئے مگر اُن کے وجود مسعود سے پھوٹنے والی علم وحکمت کی کرنوں نے ظلمت و جہالت میں گھرے لاکھوں انسانوں کے دلوں کو نور ایمان سے منور کر کے راہ مستقیم دکھائی۔ ایسا ہی ایک ''مہتاب'' ۱۴ اگست ۲۰۰۶ کی شام کو اُس وقت غروب ہو گیا جبکہ لوگ یوم آزادی کی خوشیوں میں مصروف تھے۔ دن بھر خوشیاں اور مُسرتیں بکھیرنے والا آفتاب جب ''ہمارے مہتاب'' کے ساتھ شام کو اہل علاقہ کی نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اوجھل ہوا تو تمام علاقہ شام کی سرسراہٹوں میں آہوں اور سسکیوں میں ڈوب گیا۔ اس غمزدہ شام نے اُداسی کی وہ چادر اوڑھی کہ اس ''مہتاب'' کے عقیدت مند مہتاب کے روشن چہرے کی زیارت کو ترس گئے۔ یہ مہتاب، مہتابِ فلک نہ تھا بلکہ یہ مولانا سید مہتاب حسین نقوی تھے۔ جنہوں نے اپنے عین شباب میں اس علاقہ میں اپنا قدم رکھا اور اپنے علم، حسن اخلاق، اعلیٰ کردار اور تقویٰ و پرہیز گاری کی بدولت علاقے کے عوام میں بلند مقام حاصل کیا اور اہل علاقہ کی خواہش پر نہ صرف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان سے منتقل ہو کر جاڑیانوالہ پر مستقل سکونت اختیار فرمائی بلکہ عوام کے دلوں میں ایسے سمائے کہ وہ ضرب المثل بن گئے۔

علم کی طرح فطرتی حُسن بھی سادات کی میراث ہے۔ آپ خُوبرو کشادہ چہرہ، گورا چمکتا رنگ اور دراز قد کے انسان تھے۔ آپ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس علاقے میں محمدؐ و آلِ محمدؑ کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج فرمائی۔ اس علاقے کی مٹی سے اسقدر پیار کیا کہ پوری زندگی اس علاقے کے عوام کی مذہبی و دینی خدمت میں صرف کر دی۔ اور آج اس مٹی کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اس میں سید مہتاب حسین نقوی جیسے عبدِ خدا دفن ہیں۔

میں چونکہ ڈاکٹر مشتاق مہدی کا ہم عمر ہوں۔ زمانہ طالب علمی میں چھٹیاں اکثر اکٹھے گزارتے تھے اس وجہ سے مجھے قبلہ محترم کی صُحبت میں زیادہ دیر تک بیٹھنے کا موقع ملا۔ اگرچہ لڑکپن میں انسان آزاد خیال ہوتا ہے اور مذہب سے بھی قدرے لگاؤ کم ہوتا ہے۔ مگر مشتاق مہدی چونکہ ایسے ماحول میں پروان چڑھ رہے تھے۔ جہاں چاہے گھر کی چار دیواری کا ماحول ہو یا باہر کا۔ ہر وقت مذہبی گفتگو اور دینی ماحول رہتا۔ جسکی وجہ سے مشتاق مہدی پر دین کا رنگ اوائل عمر سے ہی نمایاں ہو گیا تھا۔ مشتاق مہدی کی صحبت کے زیر اثر اس رنگ کی چھوٹ مجھ پر بھی پڑی۔

سید مہتاب حسین مرحوم اگرچہ عربی فاضل تھے۔ مگر وہ عربی فاضل نہیں جو آجکل کے پاکستانی مدرسے ۹ ماہ میں تیار کرتے ہیں۔ آپ کی گفتگو سے پتہ چلتا تھا کہ آپ دینی تعلیم کے حصول کیلئے جون پور اور الہٰ آباد میں بھی زیر تعلیم رہے۔ کیونکہ آپ اکثر جون پور کے اساتذہ کے حوالوں سے واقعات سنایا کرتے تھے۔

آپ ایک مستقل مزاج انسان تھے۔ آپ کی گفتگو میں دھیمہ پن اور ٹھہراؤ تھا۔ فضول گفتگو نہ کرتے اور نہ ہی سُننا پسند کرتے۔ حق بات کہنے میں کسی مصلحت کا شکار نہ ہوتے تھے۔ چاہے وہ بات علاقے کے کسی بڑے رئیس اور جاگیردار کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتی۔ خود داری اور انا پسندی کا جوہر آپ کی شخصیت کو اور زیادہ بارعب بنا دیتا۔ ایک آزاد اور خود مختار عالم دین کی حیثیت سے بیباکانہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے۔ عربی اور فارسی زبان پر مکمل طور پر دسترس حاصل تھی۔ اکثر عربی اور فارسی کی ضخیم کتب کا مطالعہ آپ کی زندگی کا معمول تھا۔

سید مہتاب حسین مرحوم ہمارے علاقے کے ایسے غیر متنازعہ عالم دین تھے کہ ہر مسلک کے لوگ آپ کے پاس اپنے دینی مسائل کے حل کیلئے آتے اور آپ سائل کے مسلک کے مطابق اُس مسئلے کا حل پیش کرتے۔ اس اعتدال پسندی اور علمی برتری کی بدولت دیگر مسالک کے لوگوں میں بھی آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔

علاقے کے بہت ہی کم لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ آپ کا اصلی اور سرکاری نام ''سید غلام رسول'' تھا۔ اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قبلہ محترم نے اپنی ساری زندگی

غلامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن کر گذاری۔ آپ عربی فاضل کی سند پر گورنمنٹ مڈل سکول امیر پور کنکا میں عربی ٹیچر تعینات ہوئے۔ سکول کے پورے سٹاف میں آپ ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر محترم میاں عبدالغنی بھٹی صاحب تھے۔ جو بڑے وضع دار اور اصول پسند شخص ہیں ۔ مسلک میں اختلاف رکھنے کے باوجود قبلہ محترم کا ازحد احترام کرتے۔ اب بھی میاں عبدالغنی بھٹی صاحب جب کبھی شاہ صاحب کا ذکر خیر کرتے ہیں تو اُن کے ہر لفظ سے ادب واحترام چھلکتا ہے۔

سکول کے کمروں کے سامنے ایک شیشم کا بڑا درخت تھا جس کے نیچے چارپائی پر تکیہ لگائے آپ اسلامی کتب کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ عربی، فارسی اور اسلامیات کے پیریڈ پڑھایا کرتے تھے۔ جب بھی پیریڈ کا ٹائم ہوتا تو آپ کو کسی کلاس میں جانے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ کلاس خود بخود وہیں پہنچ جاتی جہاں آپ تشریف فرما ہوتے۔ عام حالات کی نسبت دوران تدریس آپ کا رویہ بہت سخت ہوتا تھا۔ اگر کسی طالب علم سے کوئی خطا ہوئی تو بس اُسکی خیر نہ تھی زبردست سزا دیتے مجال ہے کہ کوئی لڑکا شور کرے یا شرارت کرے۔ محض آپ کی کلاس ہی ایسی ہوتی جسمیں ہم لوگ سانس روکے بیٹھے ہوتے تھے۔

آپ بڑے خوشنویس اور خوش خط تھے۔ آپ کا مخصوص کمرہ آپ کے ہاتھوں سے لکھے عربی اور اردو رسم الخط کے خوبصورت چارٹوں سے سجا رہتا تھا۔ سکول کے جملہ سٹاف کے دلوں میں آپ کا وہی احترام تھا جو ایک عالم بے بدل کا اپنے حلقہ احباب میں ہوتا ہے۔

ضروری نہیں کہ ایک عابد و زاہد شخص عالم و فاضل بھی ہو اور قناعت پسند بھی مگر خداوندِ ذوالجلال نے جہاں آپ کو علم و تقویٰ جیسی نعمتِ عظیم سے نوازا وہاں قناعت پسندی اور توکل علی اللہ کا وصف اور جوہر بھی آپ کی ذات میں نمایاں طور پر رکھ دیا تھا۔ چھٹی کا دن تھا اس خیال سے کہ مشتاق مہدی بھی چھٹی گزارنے گھر آئے ہونگے (ان دنوں مشتاق مہدی صاحب ایم بی بی ایس نشتر کالج ملتان میں کر رہے تھے اور میں گورنمنٹ کامرس کالج فیصل آباد میں بی کام کا طالبعلم تھا) اُن سے ملنے کیلئے جاڑیا نوالہ گیا تو معلوم ہوا کہ مشتاق مہدی اس ہفتے ملتان سے گھر آئے ہی نہیں

ہیں۔ استاد مکرم قبلہ مہتاب حسین صاحب کی نصیحت افروز صُحبت میں بیٹھا تھا کہ مشتاق مہدی کا ذکر ہونے لگا۔ فرمانے لگے کہ ''مشتاق نے آنا تھا پتہ نہیں کیوں نہیں آیا۔ اس مہینے کا خرچہ بھی اُسے دینا ہے اور بشیر سچ تو یہ ہے کہ میرے پاس صرف پچاس روپے ہیں۔ پھر فرمایا اچھا اُس کے نہ آنے میں بھی کوئی مصلحت ہوگی، ہو سکتا ہے جب وہ آئے تو اللہ میاں مجھے اُس کے خرچے کے پیسے بھی دے دے۔'' باتیں ختم ہوئیں میں اجازت لیکر چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر مشتاق مہدی کا پتہ کرنے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ آئے تھے اور چلے گئے۔ میں نے قبلہ مہتاب حسین شاہ صاحب سے پوچھا کہ مشتاق مہدی کیلئے پیسوں کا بندوبست ہو گیا تھا۔ مسکرا کے فرمانے لگے کہ ''اللہ بڑا مہربان ہے ضرورت کے وقت دے ہی دیتا ہے۔'' کہنے لگے کہ جس دن مشتاق مہدی نے آنا تھا اُسی دن دریا کے پار سے کچھ مومن آ گئے اور انہوں نے بطور خمس مجھے اتنی ہی رقم دی جتنی مشتاق مہدی کو ضرورت تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر فرمانے لگے کہ بشیر مجھے جب بھی کوئی ضرورت پڑی ہے تو میں نے اللہ سے مانگا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے وہ اپنے غیب کے خزانے سے بھیج دیتا ہے۔ کہنے لگے کہ بس اتنا ہی دیتا رہے کافی ہے۔ ہم نے کوئی دولت جمع کرنی ہے؟

ہاں: ایسے عظیم انسان آج ہم میں نہیں ہیں مگر اُن کے اقوال، اور ان کا کردار ہمیں انسانیت کی راہ دکھا رہا ہے۔ میرا اسلام ہو اُس مرد قلندر پر جس نے مجھ جیسے جاہل کو مذہب اہلبیتؑ سے روشناس کرایا۔ اللہ کی رحمتیں ہوں اُس مردِ مجاہد کی قبر اطہر پر جس نے چراغ علم سے جہالت و ضلالت کے خلاف جہاد کیا۔

ایک عقیدت مند، ایک احسان مند

پروفیسر بشیر احمد

مہتابِ جہاں تاب

زندگی کو ہر شخص اپنے انداز میں گزار کر عالمِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ جہاں اکثر اشخاص زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ وہاں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی دوسروں کو سنوارنے میں مصروف رہتی ہے۔ ایسے ہی بندگانِ خدا میں ہمارے محترم استاد مہتاب حسین نقوی اعلی اللہ مقامہ بھی تھے جنہوں نے توشہ آخرت اکٹھا کیا اور دوسروں کی عاقبت سنوارنے کا سامان مہیا کیا۔ یہ اعزاز میرے لیے سرمایہ حیات ہے کہ انہوں نے میرے کانوں میں اذان کہی اور مسجد مکتب میں ان سے تعلیمات دین کے ساتھ عربی کا مضمون مڈل سکول امیر پور کنکا میں پڑھا۔ تعلیمات کے علاوہ ان کی ذاتی لائبریری میں کتب کا مجموعہ اس قدر وسیع تھا کہ ہمارے عالم دین کسی ریسرچ سکالر سے کم نہیں تھے۔

جب ہمارے استاد محترم بستی جاڑیانوالہ تحصیل و ضلع مظفر گڑھ میں تشریف لائے تو یہ علاقہ علمی لحاظ سے اندھیر نگری تھا۔ میرے تر گڑ خاندان کو معرفتِ دین محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام انہوں نے اس طرح دلائی کہ ان کی آمد کسی صحرا کو گلشن بنا دینے سے کم نہیں۔

میری یادداشت میں ان کا نمازِ عید سے پہلے اپنے ڈیرہ پر مومنین کو اکٹھا کرنا۔ اللہُ اکبر، اللہُ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہُ اکبر کے پر جوش نعروں کے ساتھ نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے روانگی کا منظر آج بھی محفوظ ہے۔

ان کی صحبت کا اثر ہے کہ میں نے نماز با جماعت نمازوں میں سیکھی اور دوسری تعلیماتِ دین عملاً سیکھیں۔ ماہ رمضان میں احترام رمضان کا نفاذ انہوں نے اس قدر یقینی بنایا ہوا تھا کہ کسی کو ہمارے ڈیرہ پر حقہ پینے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

مولانا مہتاب حسین ایسے چراغ ثابت ہوئے کہ جن کی تبلیغ سے رنگ پور، احمد پور سیال اور اِردگرد کے علاقہ جات دین آلِ محمدؐ کا گڑھ بن چکے ہیں۔ آج جب محرم کے جلوس اور عیدین کی نمازوں میں جوق در جوق مومنین شرکت کرتے ہیں تو ہمارے استاد محترم کی کاوش رواں دواں نظر آتی ہیں۔ ہمارا علاقہ ملحقہ اضلاع جھنگ، خانیوال اور مظفر گڑھ میں دین آلِ محمدؐ کا مرکزی مقام

بن چکا ہے۔ یہ سب ان کی تبلیغات کا ثمر ہے۔

ان کا ایک اور کارنامہ رسومات محرم میں سے دقیانوسیت کا اخراج ہے۔ انہوں نے ذکر حسین علیہ السلام کو عبادت کا رنگ دلوایا۔ فرسودہ رسومات خاص طور پر نوحہ خوانی سے راگ کا اخراج، قصیدہ خوانی میں سادگی کا رواج اور جلوس محرم سے سازوں کو ترک کروانا ان کا مشن رہا اور اپنی زندگی میں ذکرِ حسین علیہ السلام کو اپنی اصل روح میں شناخت کروایا۔ قرأت قرآن پر ان کو خاص ملکہ تھا۔ تصحیح کے لیے اہلِ سنت کے علماء بھی ان سے رابطہ کرتے تھے۔ سکول میں اُردو الفاظ کی تصحیح انہیں کے ذمہ تھی۔

مڈل کی کلاسوں میں، میں نے فارسی کا مضمون پڑھنے کا انتخاب کیا تو وہ مجھے فارسی کلاس سے اٹھا کر عربی کی کلاس میں لائے اور ایسے سلیس اور جامع انداز میں عربی پڑھائی کہ میں بولنے میں کافی حد تک اور سمجھنے میں مکمل عبور رکھتا ہوں۔ ان کی تعلیمات نے ہمیں ہر شعبہ زندگی میں کامیابیوں سے سرفراز کیا۔ ان کی شخصیت امام مسجد، مفتی، مقرر، اہلِ قلم، مبلغ اور عالم ربانی کا ایک خوبصورت مجموعہ تھی۔

استاد کا مقام آدمی کو انسان بنانے کے بعد کسی تعریف کا محتاج نہیں رہتا انہوں نے ہمیں دینی اور دنیاوی دونوں تعلیمات سے نوازا جس کا شکریہ ادا کرنے میں میں اپنے آپ کو بے بس سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس دعا کو اور اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ان کی نذر کرتا ہوں۔

ڈاکٹر محمد اقبال مہدی ترگڑ

سابقہ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر، مظفر گڑھ

اے حسینؑ کے مہتاب

۱۴۔ اگست ۲۰۰۶ء پیر کے دن وہ خبر سنی جس کے سننے کا نہ تو حوصلہ تھا نہ ہی ہمت۔ میں کوٹ مٹھن سے بوجھل دل و دماغ اور چشم تر کے ساتھ جاڑیانوالا پہنچا اور سیدھا اپنے استاد محترم کے گھر آیا۔ وہ استاد کہ جن سے نے میں الفاظ و اوراق ہی نہیں پڑھے بلکہ زندگی کی کتاب پڑھی۔ صرف آداب زندگی کی تعلیم ہی حاصل نہیں کی بلکہ حقیقت زندگی کی معرفت حاصل کی۔ میں پہنچا تو ایک انبوہ کثیر جمع تھا۔ سب یوں خاموش اور باادب بیٹھے تھے جیسے استاد محترم کی زندگی میں ان کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ بس فرق اتنا تھا پہلے خاموش بیٹھے تھے کہ ان کی باتیں سُنیں، علم و اخلاق کی تعلیم حاصل کریں مگر آج خاموشی میں حزن شامل تھا اور نمناک آنکھیں بے وفا زندگی کا گلہ کر رہی تھیں۔

نہ دید ہے نہ سخن، اب نہ حرف ہے نہ پیام　　کوئی بھی حیلۂ تسکین نہیں اور آس بہت ہے

میں بھی شریک غم ہو گیا لیکن ذہن نے اوراق ماضی کو پلٹنا شروع کر دیا اور پلٹتے پلٹتے ۱۹۶۴ء کا زمانہ آ گیا۔ ہماری آٹھویں کی جماعت ہے اور عربی کا پیریڈ ہے استاد محترم عربی کی گردان سن رہے ہیں۔ بارہ طلباء میں سے گیارہ نہ سنا سکے۔ میں نے اپنی باری پر پوری گردان فر فر سنا دی۔ بہت خوش ہوئے۔ تمام کلاس کے سامنے تعریف کی اور میری کچھ اس انداز سے حوصلہ افزائی کی کہ پھر میں زندگی بھر حوصلہ نہ ہارا مشکلات ہارتی رہیں لیکن میں حوصلہ مندر ہا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی　　سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

ان کا جسد خاکی میرے سامنے تھا۔ میری ہمت ٹوٹ رہی تھی اور اشک رواں تھے۔ اسی اثناء میں ان کی خاموشی میری سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''غلام محمد!'' حوصلہ مندی کا سبق میں پڑھا چکا اب عمل کا وقت ہے''۔ ان کا بے روح جسم ایک بار پھر مجھے زندگی کی حقیقتوں سے آشنا کر گیا۔

مولانا سید مہتاب حسین حقیقی معنوں میں استاد تھے۔ معلم اخلاق تھے ان کا حسن عمل،

حسنِ سیرت اور حسن تکلم سبھی تہذیب اسلامی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔آپ کی دراز قامت بلندیِ کردار پر جبکہ نورانی چہرہ طہارتِ باطنی پر دلیل تھا۔خداوند کریم نے علم وفضل سے بھی وافر نواز اتھا۔سکول میں تمام اساتذہ اپنی علمی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے۔جن کو وہ فوراً حل کر دیتے۔عربی گرائمر بہت خوبصورت اور سہل انداز میں پڑھایا کرتے۔پڑھانے کا انداز نہایت دِلنشین تھا۔میں آج تک ان کی پڑھائی ہوئی عربی گرائمر سے مستفید ہو رہا ہوں۔قرآن مجید کے اکثر معنی کی سمجھ بوجھ ان ہی کی مرہون منت ہے۔

مجھے تمام تر کامیابیاں میرے دو استادوں کی دعاؤں اور رہنمائی کے صدقے میں عطا ہوئیں ایک تو یہی سید محترم کہ جن کی جدائی میں قلم گریہ کناں ہے اور دوسرے ملک محمد رمضان صاحب (خدا اُن کو کروٹ کروٹ جنت بخشے) یاد رہے کہ ملک محمد رمضان صاحب بھی مولانا سید مہتاب حُسین کے ہونہار شاگرد تھے۔میں نے مڈل کیا۔میٹرک کیا۔ایف اے کیا۔تمام امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے ۔ تو قبلہ سید مہتاب حسین کی سفارش پر مجھے ملازمت ملی۔زندگی ان کے احسانات میں دبی ہے۔یہاں تک کہ میں اہلبیتؑ کے دامن سے متمسک ہوا تو انہی کے سبب سے۔

محنت کی عظمت اکثر بیان کرتے ان کی تربیت سے میں محنت کا عادی ہو گیا۔بعد میں میں نے ایم۔اے اور ایم ایڈ کیا۔ایک وقت آیا کہ میں اپنے ان ہی محسن اساتذہ کے ساتھ مڈل سکول امیر پور کنکا میں ٹیچر ہو گیا۔مگر ان کی عظمت علمی کے سبب ان کی موجودگی میں پڑھانے میں جھجک محسوس کرتا۔پھر میری تقرری بطور ورکشاپ منیجر آباد ٹیکنیکل سنٹر میں ہوگئی۔میری ہر ایک کامیابی پر اُن کی خوشی دیدنی ہوتی تھی۔میں جب بھی گھر آتا تو اُن دونوں استادوں سے ضرور ملتا۔ان سے دعائیں لیتا۔

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

خاندانی وقار، شخصی وجاہت، علمی جلالت، اعلیٰ ظرفی اور بلند نظری ایک انسانی پیکر میں

جمع ہوئیں تو نام مہتاب حسین قرار پایا۔ انہی خوبیوں کی بدولت اہلیان علاقہ آپ کی بہت قدر کرتے۔آپ جدھر سے گذرتے لوگ احتراماً کھڑے ہو جاتے ۔آپ کے گھٹنے چھونے میں سعادت سمجھتے۔آپ کا یہ احترام سماج کے تمام طبقات میں یکساں پایا جاتا تھا۔ اب وہ ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی پاکیزہ باتیں، مشفقانہ نصیحتیں ہماری رہنمائی کیلئے باقی ہیں۔ان کی یاد دل میں ہے اور تصویر آنکھوں میں۔

اۓ حسینؑ کے مہتاب ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں۔۔۔۔۔

مہر غلام محمد کھرل

ورکشاپ منیجر محکمہ ٹیوٹا (ریٹائرڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنما یخشی اللہ من عبا دہ العلما ء

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلق فرمایا اور تعلیم و تربیت کیلئے انبیاءؑ و اوصیاؑ بھیجے۔ اُوصیا کے ذریعے اس تعلیم کو وسیع کیا۔ حتیٰ کہ ہر انسان کو علم حاصل کرنے اور اُسکو عام کرنے کی رغبت دی اور اس کو پھیلانے والوں کیلئے انعام و اکرام کا اعلان کیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی فرمایا۔

" ھو الذی بعث فی الا میّین رسولا منھم یتلوا علیھم آیا تہ و یز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کما حقہ اپنا فرض منصبی ادا فرمایا۔ اور علم کی اہمیت وافادیت کو اپنی متعدد احادیث میں واضح کرتے ہوئے فرمایا!

۱) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ .

۲) اطلبو العلم من المھد الی اللحد .

انسانوں کو قُران مجید جیسا لامحدود علم کا خزانہ عطا فرمایا۔ وہ قران کہ جس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے " لا رطب ولا یا بس الا فی کتاب مبین" اور فرمایا انسانوں میں سے بہتر وہ ہے جو قران کا علم حاصل کرے اور قران کی تعلیم دے۔ "خیر کم من تعلم القرآن و علمہ" پھر کتاب کے ساتھ ساتھ استاد بھی بتا دیے۔

"میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ ے جا رہا ہوں ۔ ایک اللہ کی کتاب دوسرے میرے اہلبیتؑ ۔ اگر تم ان سے وابستہ رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے"

اور استاد بھی ایسے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کل شئی احصینہ فی امام مبین" اور اِن اساتذہ کی نشاندہی حضرت پیغمبرِ اسلام نے ان الفاظ میں کی۔

۱) انا مدینۃ العلم و علی بابھا

۲) انا دار الحکمۃ و علی بابھا۔

یہ علم ہی ہے جس پر حضرت علیؑ فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم و للاعداء مال ۔میں علیؑ اللہ کی تقسیم پر راضی ہوں کہ جس نے مجھے علم عطا کیا اور میرے دشمنوں کو مال۔ پھر آپؑ کے جانشینوں نے علم پھیلایا اور یونیورسٹیاں قائم فرمائیں۔اور ہزار ہا طالبعلموں نے علم حاصل کیا۔کل کے جو طالب علم تھے آج کے وہ استاد قرار پائے اور یوں علم کی شمعیں روشن وفروزاں ہوتی رہیں۔اسی لئے امیر علیہ السلام نے فرمایا! عالم بنو یا طالب علم یا ان سے محبت کرنے والے۔ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ظاہر ہے جہاں علم ہوگا۔وہاں گمراہی کیونکر ہوگی۔سبحان اللہ۔اسلیے علم کے دشمن شروع ہی سے انسانوں کو علم کے ان میناروں اور سرچشموں سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔وہ جہالت پھیلا کر اپنے مقاصد حاصل کرتے اور عوام کو لوٹتے ہیں۔ شیطان کے نمائندے اپنا کام کرتے ہیں اور رحمٰن کے نمائندے اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے اس سلسلہ کو جاری فرما کر ہر انسان کو بتا دیا۔اناھدینہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔اس سے استاد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔واقعاً استاد ایک بہت ہی محترم شخصیت ہوتی ہے۔جس کے عطا کردہ علم سے انسان گمراہی سے بچ جاتا ہے۔والدین بزرگوں، بچوں، ہمسایوں سے حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔وہ معاشرے کا ایک مفید فرد بن جاتا ہے۔اپنے علم کی بنا پر دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے اور علم کی بنا پر اپنی دنیوی زندگی بھی کامیابی سے گزارتا ہے اور اپنی آخرت کیلیئے بھی کوشش کرتا ہے۔الدنیا مزرعۃ الاخرۃ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔

چونکہ قرآن مجید لامحدود علم ہے اور اُسکی زبان عربی ہے۔اس لیے عربی زبان سیکھنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔میں نے اپنے ایک استاد محترم کا ذکر کرنے کیلیئے یہ تمہید لکھی ہے جس نے مجھے عربی زبان پڑھنا لکھنا سکھائی اور میں اس قابل ہوا کہ قرآن مجید پڑھ لوں اور سمجھ سکوں۔عربی

زبان میں دُعائیں اور مناجاتِ آئمہ علیھم السلام سے استفادہ کر سکوں۔ اسی طرح ان سے مجالس ومحافل میں بھی بہت کچھ سیکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جس قدر ہدایت نصیب ہوئی ہے۔ وہ انہی کے مرہون منت ہے اور میرے وہ اُستاد محترم ہیں مولانا سید مہتاب حسین نقوی اعلی اللہ مقامہ۔ میں نے ان سے ۱۹۷۴ء میں چھٹی کلاس سے لیکر آٹھویں کلاس تک عربی پڑھی۔ نہ جانے اُن کا یہ فیض میری طرح اور کتنے لوگوں کیلیئے تھا۔ حقیقتاً اُن کا یہ فیض آج تک جاری ہے۔ انہوں نے اپنا جو خاندان اس سرزمین پر چھوڑا ہے۔ اس کے افراد اسی طرح علم وعمل کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں اور لوگوں کو راہ ہدایت دکھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو علماء کا قرب نصیب فرمائے۔ یوں چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ مولانا سید مہتاب حسین نقوی علی اللہ مقامہ کو اس صدقہ جاریہ پر اجر عظیم عطا فرمائے ان کی قبر کو منور فرمائے، جنت کا ٹکڑا بنائے اور انہیں جوارِ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ہوسکتا ہے یہاں کے ہر آدمی کا یہی احساس ہو کیونکہ وہ مہربان ہی اس قدر تھے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ مولانا سید مہتاب حسین نقوی اعلی اللہ مقامہ اور اُنکے بھائی سید غلام شبیر کی میرے خاندان پر نظرِ کرم منفرد تھی۔ ایک دن وہ ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں اپنے بیٹے کو اُٹھا کر ان کے پاس لایا کہ نظر بد سے محفوظ رہنے کیلیئے کچھ پڑھ دیں۔ انہوں نے پڑھا پھر فرمایا۔ جب بھی کوئی ایسا مسئلہ ہو تو بچے کو گود میں لیکر اس پر تین بار ما شاء اللہ **لا حول ولاقوة الا با للہ العلی العظیم** پڑھ دیں۔

وہ علم کا بے بہا خزانہ تھے۔ وہ خود بھی عالم با عمل تھے اور نیک لوگ ان کو بہت پسند تھے۔ طہارت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ سکول میں پانی لانے کیلیئے ہر طالب علم کو نہیں بھیجتے تھے۔ اپنی کلاس میں یہ سعادت اکثر مجھے حاصل ہوتی تھی۔ اسی طرح جب بھی ہمارے گھر میں تشریف لاتے تھے تو بھی یہ خدمت میں سرانجام دیتا تھا۔ طہارت کا بہت خیال کرتے تھے اور اپنی محافل میں بھی اس بات کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے۔ برائی اور بُرے لوگوں سے ان کو سخت نفرت تھی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غفلت نہیں کی چاہے سننے والا کتنا ہی

با اثر کیوں نہ ہو۔ اسی لیے بڑے بڑوں کو انکا سامنا کرنیکی ہمت نہ ہوتی تھی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تین درجے بیان کیئے گئے ہیں۔ برائی کو ہاتھ سے روکنا، زبان سے روکنا، یا کم از کم دل سے بُرا جاننا۔ اہل ایمان کی اکثریت صرف تیسرے درجے پر عمل پیرا ہے۔ جبکہ مولانا سید مہتاب حسین نقوی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی ساری زندگی میں ان تینوں درجوں پر عمل کیا۔ مجلس میں ذاکرین کو غنا سے روکنا۔ بازار میں دکانداروں کو گانے بجانے سے روکنا، روزہ خوروں کو دن میں کھانے پینے سے روکنا، ان کا شیوہ تھا۔ اسی وجہ سے ایسے لوگ ان کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ حتی کہ ان کی مجلس میں بھی ان کے واضح بیان سننے سے کتراتے تھے۔ مگر حق گو انسان حق بیان کرتا رہا۔ اور علم کے متلاشی ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مولانا صاحب اپنے ہر کام میں بے حد مخلص تھے۔ عالم ہونے کی حیثیت سے لوگوں تک علم پہنچایا۔ جیسا کہ ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ ان کے خطبات میں بولنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، امامتِ نماز میں مستحبات تک بجا لانا، نمازِ عیدین میں لمبی دُعاؤں کا پڑھنا، ماہ رمضان میں نمازوں کے بعد مسنون دعاؤں کا پڑھنا اُن کا مشہور ہے۔ نماز مغربین کے بعد افطاری ان کا وطیرہ تھی۔ استقبال اور وداعِ ماہ رمضان میں ہادیان برحق کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ ماہ رمضان میں کسی روزہ خور کو دیکھنا ان کیلیئے نا قابل برداشت تھا۔ سکول میں بحیثیت اُستاد انتہائی شفیق اور انتہائی سخت گیر تھے۔ لائق شاگرد کی ہمت افزائی کرتے جبکہ نالائق کی سخت سرزنش بھی کرتے۔

جنازہ اور کفن دفن میں پورے خلوص سے میت سے ہر قسم کی بھلائی کرتے تھے۔ نکاح پڑھاتے وقت ہر حکم پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ مجھے بھی یہ شرف حاصل ہے کہ میرا نکاح بھی انہوں نے پڑھایا تھا۔ طوالت نہ ہو جائے المختصر جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا وہ عالم باعمل تھے اور انہی علماء کے لیے کہا گیا ہے۔ **موت العالم موت العالم**۔۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں جب تک زندہ رکھے، علماو سادات کا قرب عطا فرمائے۔ روز آخرت اپنے خالص بندوں

کے ساتھ محشور فرمائے اور جنت میں محمدؐ وآلؑ محمد علیھم الصلواۃ والسلام کا قرب نصیب فرمائے۔ امین یارب العالمین بحق محمد وآلہ الطاہرین

ظفر عباس کھرل
زراعت آفیسر محکمہ زراعت، چوک سرور شہید
تحصیل کوٹ ادو، ضلع مظفر گڑھ

گنج ہائے گراں مایہ

علم جہاں باعث کمال انسانیت ہے وہاں انسانی معاشرہ میں عزت وتکریم کا سبب بھی ہے۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نافع ہے،دنیا وآخرت میں باعث حصول اجر بھی ہے۔اور اگر فضائلِ علم کے مدنظر اسکی زکوۃ دیتے ہوئے کسی کو تعلیم دی جائے تو صدقہ جاریہ ہے۔صدقہ جاریہ کی بعض اقسام کسی مرحلہ وزمانہ میں منقطع بھی ہو جاتی ہیں۔لیکن علم ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے جو تعلیم کے سلسلہ کی روانی سے ہمیشہ کیلئے باقی رہتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے علم ایک لازوال دولت ہے۔اور افضل ترین نورانیت کے درجہ تک چلا جائے تو صاحب علم کی بقاء کی ضمانت ہے۔علم دین وعلم احکام،علم کی افضل ترین نوارنی فرد ہیں۔قبلہ مولانا سید مہتاب حسین نقوی ایک متدین، صاحب تقویٰ اور معلم عالم دین تھے۔ مجھے اُن سے مربوط میرے دائرہ علمی کے مطابق جو معلومات ہیں وہ اُن کی دینی خدمات ہیں جو میں نے بچشمِ حقیر بچپن سے ہی ملاحظہ کی ہیں۔چونکہ موصوف کا تعلق سب تحصیل رنگ پور کے علاقہ جاڑیانوالہ سے تھا اور ہماری بستی مقصود پور بھی اُن کی رہائش گاہ کے قریب تھی جو کہ میری زادہ گاہ ہے تو مجھے اُن کی اپنے گاؤں اور گردونواح کی دینی خدمات ہی معلوم ہیں۔ہمارے گاؤں کی اکثر آبادی میرانی بلوچ خاندان کے افراد پر مشتمل ہے۔میں اُن کی خدمات کی ابتداء اُس زمانہ سے بات کر رہا ہوں جبکہ میرا وجود صلب پدری میں تھا۔بزرگان بیان فرماتے ہیں۔موصوف اپنے اجداد انبیاءؑ وآئمہ طاہرینؑ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر خود ہی بدون کسی کی دعوت کے مقصود پور میں اہل ایمان کو کسمپرسی کے عالم میں دیکھ اور دینی خدمات کے نہ ہونے کا احساس فرماتے ہوئے تشریف لے آئے۔تبلیغ دین فرمائی اور اذان دلوا کر نماز جماعت کیلئے آمادہ ہوئے۔اتفاق سے اُنہیں اپنے مصلیٰ کیلئے اپنی عبا استعمال کرنا پڑی۔مسجد تو بعد میں اُنہی کی تبلیغات کے اثر سے وجود میں آئی۔عزادارئ سید الشہداؑ کا سلسلہ اگرچہ پہلے تھا۔لیکن روحانی اور معنوی عزاداری کی بنیاد بھی اُنہوں نے رکھی۔آپ مستقبل پر نظر رکھنے والے اہل علم تھے اُنہوں نے اسی گاؤں سے ایسے افراد پیدا کرنے کی سعی فرمائی جو اس مقام پر دین کیلئے کام کریں۔جناب مولانا حاجی عاشق حسین قیامت کو بھی اُنہی بزرگوار نے شوق دلایا۔اور رہنمائی کی کہ کسی مدرسہ دینی کیطرف رجوع کرو۔موصوف کے پورے علاقہ میں دینی خدمات کے اثرات ونشانات

واضح طور پر موجود ہیں۔ اور اس علاقہ کے کسی ایک مخصوص مقام سے ہی محدود نہ رہے بلکہ قرب و جوار کی تمام چھوٹی بڑی آبادیوں تک خود بخود تشریف لے جاتے اور لوگوں کی دینی رہنمائی فرماتے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کی بلندی کے اثرات سے لوگ آپ کے گرویدہ ہو جاتے اور پھر خود بخود ایک دینی مرکز وجود میں آ جاتا۔

موصوف کی ذات میں دینی احکامات کی پابندی اور دینی موقف پر استقامت ایک مثالی چیز تھی۔ اور اپنے دینی موقف پر اکثر اوقات علاقائی مقتدر شخصیات سے بھی ڈٹ جاتے تھے۔ چاہے اُن کے ظاہری مفادات بھی متاثر ہوتے وہ پرواہ نہ کرتے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی قناعت شعاری، تقویٰ و پرہیز گاری اور خدمت دینِ اسلام میں گزار دی۔ وہ بے باک، حق گو رہے۔ کبھی کسی کمزور پہلو کا سہارا نہ لیا۔ اور نہ ہی حالات کے بہاؤ کا شکار ہوئے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ اُن کی ہمیشہ کوشش رہی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ دین کی طرف راغب ہوں۔ وہ ہمارے گاؤں کی دینداری کے بنیاد گذار اور آخر وقت تک سرپرست رہے۔ اور اپنے نورانی فیوض و برکات کا نمونہ مولانا سید فضل حسین ہم میں چھوڑ کر راہی دار جاودانی ہوئے۔ خداوندِ متعال اُنہیں اُن کی انسانوں کے دلوں میں پیدا کردہ نورانیت کے بدلہ میں مقام اعلیٰ علیین پر نورانیت کے بقعہِ نور میں مقامِ ارجمند عطا فرمائے۔ اور ہمیں اُن کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ علم و عمل کا واضح و آشکار نمونہ تھے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

ملتمس دُعا

مولانا اقبال حسین، مقصود پوری،
پرنسپل دار التبلیغ الشیعہ کوٹ ادو

عالم با عمل

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور تمام تعریفیں اس کی ذات کے لیے مخصوص ہیں۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں اہلبیتؑ جیسے معصوم عن الخطار ہنما عطا فرمائے ان رہنماؤں نے ہر حال میں مشن خداوندی کو جاری وساری رکھا۔ حضرت امام مہدیؑ نے غیبت کبریٰ سے پہلے ارشاد فرمایا۔ ''میں غیبت کبری کی طرف جار ہا ہوں، میری بعد فقہا کی طرف رجوع کرنا''۔ یعنی اہل علم کی طرف رجوع کرنا حکم امام سے ثابت ہے۔ حضرت رسالتمابؐ نے فرمایا کہ اگر دو گروہ صحیح ہو جائیں تو پورا معاشرہ صحیح ہو سکتا ہے۔

ا۔علماء ۲۔امراء

علماء اپنے علم سے دین کی خدمت کریں اور تبلیغ دین فرمانویں اور امراء اپنی دولت سے دین کی خدمت کریں۔ جہاں دین پر دولت خرچ کرنے کا وقت آئے تو بخل نہ کریں۔ ہر عالم کی خواہش ہوتی ہے مجھ جیسا عالم اور کوئی نہ ہو میں ایسی جگہ کا انتخاب کروں کہ تمام لوگ خود بخود میری طرف رجوع کریں۔ وہ عالم بہت کم ہیں جو اپنی شان وشوکت بنانے کی بجائے دین مبین کی شان کو لوگوں کے دلوں میں قائم کرتے ہیں۔ ان علماء میں ایک عالم دین جناب حجتہ الاسلام والمسلمین جناب سید ماہتاب حسین شاہ صاحب ہیں جنہوں نے اعلیٰ قسم کی تعلیم حاصل کر کے ایک ایسے مقام کا انتخاب کیا جہاں ایک چھوٹا سا طالب علم بھی رہنا شاید پسند نہ کرے انہوں نے وہاں کی ضرورت کو سمجھا اور وہاں کی لاعلمی کو علم میں تبدیل کیا خالصتاً دیہاتی ماحول، مسائل سے ناآشنا لوگوں میں رہ کر انہوں نے علم کی روشنی کو ان میں پھیلایا۔ میں جب ۱۹۸۲ء میں مظفر گڑھ حاضر ہوا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سب سے پہلے مولانا بشیر احمد مونس صاحب کی ہمراہی میں دینیات سنٹروں کے معائنہ کے سلسلے میں جاڑیاں والا پہنچا تو مولانا موصوف سے ملاقات ہوئی، پہلی ملاقات تھی تھوڑے ہی وقت میں قبلہ محترم نے اپنے میٹھے اخلاق، علمی گفتگو اور بارعب شخصیت (جس میں علم وعمل کی خوشبو موجزن تھی) کی وجہ سے ہمارے دلوں میں بلند مقام پیدا کر لیا۔ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ واقعتاً ہماری ملاقات ایک سچے باعمل عالم دین سے ہوئی ہے۔ چہرے پر روحانیت، لباس، شکل

وصورت اور گفتار سے تقویٰ اور پرہیز گاری ٹپک رہی تھی۔ ایک دفعہ ہمارے مدرسہ جامعۃ المفید تلیری میں پرنسپل کی ضرورت تھی۔ ہم نے سوچ وبچار کے بعد فیصلہ کیا کہ اگر مولانا ماہتاب حسین شاہ صاحب قبلہ مان جائیں تو کیابات ہے۔ میں اور مولانا بشیر احمد مونس، قبلہ صاحب کی خدمت میں روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کرنہایت ادب سے گزارش کی کہ ہمارا یہ مسئلہ ہے اگر آپ قبول فرماویں تو مدرسہ کی ترقی کے اسباب پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہماری بات کو اہمیت دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ آپ بہت بڑی خدمتِ دین لے کر آئے ہیں، یہ میرے لیے بڑا اعزاز ہے۔ لیکن میری چند مجبوریاں ہیں۔ میں نے چند مقامات پر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، اور میں نے ایام ہفتہ کو تقسیم کیا ہوا ہے اگر میں یہ چھوڑ کر چلا جاؤں تو بہت بڑا مذہبی نقصان ہوگا، لیکن آپ کے آنے کی وجہ سے میں کچھ عرصہ تک یہ خدمت کرنے کے لیے آمادہ ہوں اتنے میں آپ کوئی اور انتظام کرلیں گے، ہم نے اس کو بھی غنیمت سمجھا، تقریباً چھ ماہ کی مدت مقرر ہوئی قبلہ ہمارے ساتھ تشریف لائے اور مدرسہ میں درس وتدریس اور باجماعت نماز کی خدمت شروع کردی جو بھی اُن سے ملاقات کرتا ان کے اخلاق حسنہ سے اتنا متاثر ہوتا کہ بار بار ملاقات کرنے کو دل چاہتا۔ چھ ماہ میں انہوں نے ایسی خدمت سرانجام دی کہ مدرسہ کو پررونق بنا دیا۔ ان کو دیکھ کر ایک عالم باعمل سمجھ میں آجاتا تھا۔ عالم ہو تو ایسا ہو جنہوں نے اپنی اولاد کی تربیت کے ساتھ پورے علاقے کی تربیت کی ، میری ذات ان کے قول ، فعل اور علم سے بہت متاثر ہوئی۔ آخر میں میری دعا ہے کہ خداوند عالم ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے ، بہشت میں محمدؐ وآل علیہم السلام کے قرب میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحق آل یٰسین

مولانا سید نصیر حسین ہمدانی

امام جمعہ وخطیب جامع مسجد جعفریہ مظفر گڑھ

عالمِ ربانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من المومنین رجال صد قوا ما عاھد وا اللہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلا (احزاب ۲۳)

عزیزان گرامی توفیق خداوندی ہے اور نظرِ خاص ہے امام زمان عجہ اللہ تعالیٰ کی، کہ مجھے اس مجلس عزا میں حاضر ہونے کا موقع نصیب ہوا اور اس حوالہ سے آپ برادران ایمانی کا نزدیک سے دیدار ہوا۔ سب سے پہلے مولانا سید مہتاب حُسین نقوی مرحوم و مغفور کی روح کو ایصال ثواب کیلئے سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص تلاوت کی جائے۔ لائق تحسین ہیں آپ لوگ جو اُنکو خراجِ عقیدت پیش کرنے کیلئے، محبت کا اظہار کرنے کیلئے یہاں پر حاضر ہوئے ہیں اور میں توقع کرتا ہوں کہ آپکی یہ عقیدت اور یہ محبت اور وابستگی اُن کے ساتھ، اُن کے کردار کے ساتھ یعنی اُنکے مشن کے ساتھ ہمیشہ برقرار رہے گی جیسا کہ مولانا فرمارہے تھے۔ میں اس سلسلہ میں عرض کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں قرآن کریم ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے 'مومنوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں۔ **من المومنین رجال**۔ جنہوں نے خدا سے جو عہد کیا تھا، جو وعدہ کیا تھا اُسکو نبھایا **صد قوا ما عاھد وا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ** اور اُس وعدے کو آخرِ عمر تک نبھایا اور اس راستے پر جسکو اللہ کی رضا کی خاطر متعین کیا تھا اور مشخص کیا تھا اس پر آخر تک قائم رہے۔ اُنکے قدم نہیں ڈگمگائے اور اسی راستے میں وہ خدا کے حضور پیش ہوگئے۔ **و منھم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلا** اور اُن میں بعض لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک منتظر ہیں کہ کب انہیں خدا کیطرف سے بلاوا آتا ہے اور وہ بھی ایسے ہیں جنہوں نے ابھی تک کوئی راستہ بدلہ نہیں ہے اُسی راستے پر قائم ہیں۔ یہ آیت ان لوگوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ جنہوں نے صاف راستہ اختیار کیا، دیکھ بھال کے، سوچ سمجھ کے، اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق ایک اچھا راستہ اختیار کیا اور اُس راستے کو باوجود مشکلات کے

باوجود تکلیفوں کے، باوجود رکاوٹوں کے، اس راستے کو طے کرتے رہے۔ میں حضرت مولانا کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس لیے کہ مدرسہ شیعہ میانی ملتان میں جلسے پر وہ ہمیشہ مدعو ہوتے تھے اور اُنکو خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اُنکا شیریں وعظ و نصیحت، تقویٰ و طہارت سے بھرپور گفتگو لوگوں کیلئے ایک اچھے کردار کی طرف راغب ہونے کا سبب بنتی تھی اور مجھے معلوم ہے جس انداز میں انہوں نے اپنے مشن کو، اپنی جدو جہد کو مشکلوں میں آگے بڑھایا سب جانتے ہیں یہ انہی کا کردار تھا، یہ انہی کا حصہ تھا، یہ امتیاز انہی کو حاصل تھا، یہ اُنہی کا کام تھا کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اُنکے قدم ڈگمگائے نہیں۔ یہ بہت بڑا کردار ہے۔

مولا امیرؑ فرماتے ہیں الناسُ ثلاثة۔ لوگ تین قسم کے ہیں: ایک ۔عالم ربانی، دوم ۔و مُتعلم علیٰ سبیل النجاة ،سوم ۔ھمج رعاء اتباع کل راع ایک وہ شخص ہے جو عالم ربانی ہے۔ جو علم کے تقاضوں کے مطابق اپنے رب کے سامنے سُرخرو ہونے کیلئے عمل پیرا ہوتا ہے اور اُسکی زندگی علم کے مطابق چلتی ہے اور اُسکے مطابق عمل کرتا ہے اپنی جدو جہد کو جاری رکھتا ہے وہ عالم ربانی ہے۔ عالم اور بھی ہو سکتے ہیں ایسے عالم بھی ہو سکتے ہیں کہ جو مادی خواہشات کیلئے اور دنیاوی مفادات کیلئے کام کرتے ہوں۔ مجھے ان سے غرض نہیں ہے۔ میں صرف انہی کی بات کرونگا جن کی طرف مولاؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو عالم ربانی ہے جو اپنے رب کے حضور سُرخرو اور سرفراز ہونے کی خاطر وہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے حصول کیلئے وقف کر دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ جو عالم ربانی کا عنوان اور ٹائٹل ہے یہ بڑے اچھے انداز میں میرے مشاہدے کے مطابق، میں کسی ایسے عالم کے بارے میں بات کروں۔ جسکو میں نے دیکھا نہ ہو، پہچانتا نہ ہوں، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی عالم ربانی ہونگے چونکہ اِنکو میں جانتا ہوں۔ اُس مدرسے میں جس میں وہ تشریف لاتے تھے وہاں ایک زمانے میں جب حضرت مرحوم مولانا سید گلاب علی شاہ بیمار ہوئے تو اُسکی ذمہ داری بھی مجھ پر تھی اس لیے کئی سالوں تک میرا براہ راست ان کیساتھ رابطہ تھا۔ تو میں جانتا ہوں کہ میرے مشاہدے کے مطابق ایک عالم ربانی کی خصوصیات

اُن میں پورے طور پر موجود تھیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے فریضہ کو ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں انہوں نے آپ کے یہاں اس ماحول میں کئی عشرے زندگی گزاری، آپکی خدمت کی، آپ کی رہنمائی کی، آپکی ہدایت کا فریضہ انجام دیا اور کبھی کسی مشکل سے، کسی پرابلم سے گھبرائے نہیں اور یہی صفت ہوتی ہے **ولا یخافون لو مة لائم** جو اللہ کی رسالات یعنی پیغامات پہچانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے نہیں ہیں۔ میں ابھی تشریح نہیں کرتا۔ ان حالات سے واقف ہوں جن حالات سے وہ گذرے ہیں۔ عینی شاہد بھی ہوں ان حالات کا، کہ ان مشکل حالات میں انہوں نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور جس انداز میں انہوں نے جدوجہد کی ہے یہ انہی کا خاصہ تھا۔ اور انکی زندگی کا جو طرز تھا جو انداز تھا، میرے علم کے مطابق وہی تھا جو ایک عالم ربانی کی زندگی کا انداز ہونا چاہیے۔ تو ایسے عالم کی قدر کرنا، ایسے عالم کو پہچاننا، اس کی قدر شناسی کرنا یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ کیا قدر کریں گے آپ ان کی؟ ایسے عالموں کی قدر شناسی یہ ہوتی ہے کہ جس راستے کو انہوں نے اختیار کیا ہے، جو نقوش انہوں نے چھوڑے ہیں، جو آثار انہوں نے چھوڑے ہیں، جو راستہ انہوں نے اختیار کیا اور جس نیکی کے راستے کی انہوں نے آپکو رہنمائی کی ہے۔ اُس راستے کو اور زیادہ روشن کریں، اس کو اور زیادہ زندہ رکھیں۔ اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو سُرخرو اور سرفراز بنائیں یہ ذمہ داری بنتی ہے۔

ایک بات یہاں کہدوں علمی بات ہے، "**لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ**" پیغمبر کی زندگی تمہارے لیے نمونہ عمل ہے۔ صرف پیغمبر نمونہ عمل ہے یا اُن کے اہلبیتؑ، عالم کا وہ کردار نمونہ عمل ہوتا ہے جو پیغمبرانہ صفات کا حامل ہو۔ وہ صفتیں وہ کردار، وہ سیرت، وہ اخلاق، وہ عمل، کسی عالم کا جو پیغمبرانہ انداز کا ہو اُس پر عمل کرنا بھی ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ اس لیے کہ ہمارے سامنے تو وہ عالم ہے، پیغمبر ہمارے سامنے نہیں ہے، وہ عالم ہے اس کا کردار، اس کا عمل اس کی محنت، اس کی نیکی کے راستے کی جو ہدایت ہے اور اس کی جو تعلیمات ہیں ان تعلیمات

کوزندہ رکھنا ہماری ذمہ داری ہے یہ بڑا آسان ہے خراجِ عقیدت۔ یہ نہیں مطالبہ کیا جارہا کہ آپ اُنؑ کیلئے کوئی مال و دولت دیں۔ کوئی زرو جائیداد دیں۔ مطالبہ یہ ہے کہ اتنی زندگی انہوں نے آپ میں گزاری ہے اُن کا حق بنتا ہے آپ پر۔ اِس حق کو آپ اس انداز میں ادا کر سکتے ہیں کہ ان کو، ان کی روح کو راضی رکھنے کی کوشش کریں۔ وہ اس انداز میں راضی ہوگی کہ جس مشن کیلئے انہوں نے جدو جہد کی اور کوشش کی اور ساری زندگی جس راستے کی آپ کو نشاندہی کرتے رہے اس راستے پر چلیں۔

ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمارے ماحول کے اندر نیکی کی طرف روجہان بہت کم ہے۔ لوگوں کا مزاج میں جانتا ہوں اس پر بحث نہیں کرتا، نیکی کا روجھاان بہت کم ہے ہمارے ماحول اور معاشرے میں، نیکی کی اہمیت بہت کم ہے، ہمارے ماحول اور معاشرے میں، سب سے پہلی چیز ہے ضروریات دین میں نماز اور اُس کی اہمیت بہت کم (سمجھی جاتی) ہے۔ مختلف بہانے کہ آج میرے کپڑے نجس تھے، انسان کیلئے جو شرائط ہیں نماز کے وقت کپڑے پہننے کی، کوئی ایسا وقت نہیں ہوسکتا کہ انسان کے پاس ایسا کپڑا نہ ہو جس میں وہ نماز پڑھے۔ یہ صرف بہانہ ہے میرے پاس وقت نہیں تھا، میں مصروف تھا، کون سی ایسی مصروفیت تھی جو نماز سے برتر تھی اور کونسا دنیا کا کام ہے جو نماز سے برتر ہے۔ اِنْ قبلت قبلتْ مَاسواھا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّتْ مَا سوا ھا نماز کسوٹی ہے تمہارے اعمال کی جو بھی تم کرتے ہو۔ دنیا میں جو بھی عمل نیکی کا کرتے ہو سب عمل کی کسوٹی نماز ہے اگر نماز کا عمل قبول تو باقی سب عمل قبول ہوں گے اگر نماز رد ہوئی تو دوسرے اعمال بھی رد ہو جائیں گے۔ یہ میرا قول نہیں ہے۔ میں اپنی بات کبھی نہیں کرتا۔ یہ صادق آلِ محمدؑ کا قول ہے۔ آخری وقت میں جمع کیا امام جعفر صادقؑ نے اپنے گھر والوں کو، کنیزوں کو، خادموں کو اور سب کو ایک وصیت کی، کہ میں اس دنیا سے جا رہا ہوں اور میری وصیت کو یاد رکھنا لا تنال شفاعتنا من استخف الصلواۃ جو شخص نماز کو ہلکا سمجھتا ہے ہماری شفاعت اس کو نہیں پہنچے گی۔ جو لوگ آپ کو غلط باتیں بتاتے ہیں۔ وہ غلط ہوتی ہیں۔ امامؑ کا فرمان یہ ہے۔

روزِ عاشورہ زوال کا وقت ہوا تو ایک نیک بخت نے، سعادت مند نے حاضری دی اور سید الشہدؑ کے سامنے کہا۔ حضور نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ یہ معلوم تھا فرزندِ رسول کو، اُس کی نیک بختی تھی وہ کچھ لینا چاہتا تھا سید الشہدا سے، اور حضرتؑ نے اس کو تحفہ دیا کہ **ذکرتنی الصلواۃ جعلک اللہ من المصلین** تم نے مجھے نماز یاد دلائی، خدا تم کو نماز گزاروں میں محشور فرمائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعہ ہے لیکن شاید لیلتہ الحریر کا ہو، جانتے ہو لیلتہ الحریر صفین کی وُہ رات جب تلواریں چل رہی تھیں، تیر برس رہے تھے، نیزوں کی آوازیں تھیں۔ حریر کہتے ہیں تلواروں کے چلنے کی آوازوں کو۔ وہ رات جس میں تلواروں کے چلنے کی آوازیں، تیروں کی آوازوں کے علاوہ، نیزوں کی آوازوں کے علاوہ کوئی اور آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ میں نے پڑھا تاریخ کی کتابوں کے اندر کہ مولا امیرؑ نے میدان کے اندر مصلیٰ بچھایا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ مولاؑ یہ کوئی وقت نہیں، جنگ ہو رہی ہے۔ تلواریں چل رہی ہیں، تیر آ رہے ہیں آپ مصلیٰ عبادت بچھا رہے ہیں۔ کون علیؑ؟ جو ہزار رکعت روزانہ پڑھتے تھے۔ ہمارے لیے دو رکعت صبح کی پڑھنی مشکل ہوتی ہے۔ کہتے اپنے آپکو شیعہ علیؑ ہیں۔ اسلیئے مولاؑ نے فرمایا کہ **اعینونی بورع و اجتھاد** جو کام میں کرتا ہوں تم نہیں کر سکتے۔ میں نے دو روٹیوں میں گزارہ کیا، دو چادروں میں زندگی گزار دی اور خشک روٹیاں جنہیں گھٹنوں پر توڑ کر علیؑ کھایا کرتے تھے۔ اور توشہ دان جس کے اندر علیؑ روٹیوں کو رکھتے تھے۔ اسکو سیل مہر کر دیتے تھے تاکہ بیٹیاں اُنکے اندر گھی نہ ڈال دیں۔ لیکن یہ تم نہیں کر سکتے ہو۔ مولا امیرؑ فرماتے ہیں نہج البلاغہ میں لیکن شیعو! **اعینونی بورع و اجتھاد** میری مدد کرو، پرہیز گاری اختیار کر کے، کوشش کر کے، **و عفۃ وسداد** پاکدامنی اختیار کر کے، راست روئی، صحیح راستے پر چلنا اختیار کر کے، میری مدد کرو۔ **شیعتنا کونوا لنا زینا و لَا تَکونوا عَلینا شینا** ۔ اے شیعو! ہمارے لیے باعث زینت بنو، باعث ننگ و عار نہ بنو۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ تم جہاں رہو، جس محلے میں رہتے ہو، تمہارا کردار ایسا شفاف اور پاک ہونا چاہیے جب تم گلی میں نکلو تو لوگ انگلیوں سے اشارہ کر کے کہیں کہ یہ ہے جعفر صادقؑ کی تعلیم کا

اثر۔ میں یہ باتیں کرتا ہوں اور کرونگا کیونکہ میں نے آپکو رہنمائی دینی ہے، آپ سے رہنمائی نہیں لینی۔ البتہ میرا اپنا انداز ہے میں سمجھتا ہوں کہ مولاؑ نے جب مصلیٰ بچھایا ہوگا تو لوگوں نے کہا اور حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اسی نماز کیلیئے تو میں جنگ کر رہا ہوں یہ نماز نہ ہوتی تو یہ جنگ بھی نہ ہوتی۔ علیؑ کے ماننے والوں کا بھی یہ کردار ہونا چاہیے۔ آلِ محمد کی وہ حیثیت نہیں ہے کہ جو دوسرے لوگوں کی حیثیت ہے جن سے ہم عقیدت رکھتے ہیں۔ جن سے ہم محبت کرتے ہیں، عزت کرتے ہیں، احترام کرتے ہیں، میں اس احترام سے روکتا نہیں ہوں۔ آپ مثلاً بزرگوں کا پیروں کا، سادات کا، احترام کرتے ہیں، عزت کرتے ہیں، آبرو کرتے ہیں۔ یہ ہونی چاہیے، اہلبیتؑ کی حیثیت اس سے ماوراء ہے، عزت بھی ہے، احترام بھی ہے، محبت بھی ہے، اطاعت بھی ہے اور ان کی سیرت و کردار پر عمل بھی۔ امام ہیں وہ۔ امام کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ پیشوا، رہبر، ان کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ عمل بنانا ہماری ذمہ داری ہے۔

تین شخص میں کہہ رہا تھا، عالم ربانی، **متعلم علی سبیل النجاۃ**، سیکھنے والا شخص جو اپنی نجات کی خاطر سیکھتا ہے۔ **تعلموا من المهد الی اللحد**، ماں کی گود سے لے کر لحد تک قبر تک سیکھتے رہو۔ علم کم ہونی والی چیز نہیں ہے۔ یہاں آتے ہو تو کچھ سیکھنے کیلیئے آؤ۔ کیا سیکھا؟ ہم گئے تھے مجلس میں کیا سیکھ کر آئے ہیں؟ اس سیکھے ہوئے پر عمل کرنے کی پھر کوشش کرو۔ **ما جعل الله علیکم فی الدین من حرج** خدا نے دین کے اندر کوئی مشکل نہیں بنائی۔ دین تو آسان ہے۔ یہ دین تو آسان ترین ہے۔ دین اسلام جس کے چند واجبات ہیں جن پر عمل کرنا بڑا آسان ہے۔ ہماری بیٹیاں جو گھروں میں ہیں ان میں تو نماز کا رواج بہت کم ہے ان میں نماز کی طرف کوئی رغبت بھی نہیں ہے ان کو کوئی توجہ دلانے والا نہیں ہے۔ کوئی سیکھانے والا نہیں ہے۔ **قوا انفسکم و اهلیکم نارا** بچاؤ اپنے آپ کو بھی اور اپنے اہل وعیال کو بھی جہنم سے۔ جس کا ایندھن انسان بھی ہوں گے اور پتھر بھی ہونگے ذمہ داری بنتی ہے۔ **مروا صبیانکم للصلواۃ اذا بلغوا سبعة** اپنے بچوں کو سیکھاؤ نماز جب سات سال کے ہو جائیں، طہارت کر

کے، پاکیزہ کر کے، مسجد میں لے جاؤ، عادت ڈالو ، تاکہ ان کو مسجد کے آداب کا پتہ چلے کہ مسجد میں کیسے جایا جاتا ہے۔ **واضربواھم اذا بلغوا عشرہ** جب دس سال کے ہو جائیں تو پھر پٹائی کر کے پڑھاو نماز اور ان کو سیکھاو نماز تاکہ جب پندرہ سال کا لڑکا بالغ ہو جائے تو پھر تمہیں نہ کہنا پڑے، اس کے دل سے آواز آئے کہ مجھ پر نماز فرض ہے۔ مجھے پڑھنی چاہیے۔ آل محمدؐ کی تربیت کا یہ نظام ہے اس نظام پر عمل کر کے خاندانوں کو نسلوں کو آگ سے بچا سکتے ہیں۔

دوسرا شخص **مُتعلم علیٰ سبیل النجاۃ** اور تیسرا **ھمج رعاء اتباع کل راع** بے ہودہ لوگ، بے کار لوگ، فضول لوگ، جن کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ کوئی عزت، نہ سوچ ہے اور نہ کوئی فکر ہے۔ جن کا نہ کوئی مذہب ہے نہ کوئی عقیدہ ہے جس طرف سے کوئی آواز آتی ہے اس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ مت بنو۔ اگر بننا ہے تو عالم ربانی بنو، بننا ہے تو متعلم بنو سیکھنے والا بنو، **ھمج رعاء اتباع کل راع** نہ بنو۔ جن کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے۔ سُنتے ہو مولائے امام زمانؑ جس کو امام مانتے ہو جن کی انتظار میں ہم سب ہیں۔ کیا پیغام دے کر گئے اور کیا نظام دے کر گئے ہیں؟ ہر شخص آزاد نہیں ہے ہر شخص کے بس میں نہیں ہے کہ وہ کسی مسئلہ پر رائے زنی کرے۔ **لا تقولوا لما تصف السنتکم ھذا حلال و ھذا حرام**. جو تمہاری زبان پر چڑھ جائے تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ اس کو حلال یا حرام کہو۔ یہ چیز حلال ہے یہ چیز حرام ہے۔ عالم کی طرف رجوع کرو ۔ ہمارے حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو۔ ہمارے علم جاننے والوں کیطرف رجوع کرو۔۔۔۔۔۔

علامہ سید ساجد علی نقوی کے خطاب سے اقتباس

مجلسِ ترحیم منعقدہ ۷-۱-۰۷

بیادسید مہتاب حسینؒ نقوی

(ڈاکٹر سید تمثیل مہدی)

وہ علم و عمل، عظمت و اخلاق کے پیکر
تہذیب کے آکاش کے مہر و مہ و اختر
وہ جادۂ حق کے بے خوف شناور
تبلیغ کی حد درجہ کٹھن راہ کے مسافر

افسوس کہ یہ فانی جہاں چھوڑ گئے ہیں
خدمات کے اپنی وہ نشان چھوڑ گئے ہین

تھا دین کی خاطر گھر بار کو چھوڑا
اور اپنی جنم بھومی کے در و دیوار کو چھوڑا
اپنوں کو بھی چھوڑا ، اغیار کو چھوڑا
لیکن نہ کبھی اچھی اطوار کو چھوڑا

وہ علم کے متلاشی ہوئے علم کے جویا
یہ علم کی پیاس انہیں لے گئی انڈیا

گھر بار سے دور رہے علم کیا حاصل
اور نیک مقاصد سے رہے پل بھی نہ غافل
تھی خون میں محبت اسلام جو شامل
اس واسطے خود کو کیا دین میں کامل

اب بندۂ مومن کے سبھی صف سجا کر
تبلیغ کا بیڑا اٹھایا وطن آکر

اصلاح پہ جب لوگوں کی وہ مامور ہوئے
تب لوگوں کے مسائل سبھی دور ہوئے
افعال شنیعہ تھے جو ناسور ہوئے
تبلیغ سے ان کی سبھی کافور ہوئے

وہ قلب و نظر باطن و ظاہر کی صفائی
تمثیل نظر ان کے بغیر نہیں آئی

حصہ دوئم

"مہتاب"

علمی کرنوں میں

روزہ اور تقویٰ (۱)

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو کوئی ماہ رمضان کے روزے رکھے گا تو خداوند تعالیٰ اُسکے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ اور آتش دوزخ سے اُسے آزاد کردیگا۔

جسقدر ثواب روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ملتا ہے۔ اتنا ہی ثواب افطار کرانے والے کو ملے گا۔ اگر کھانا کھلانے پر کوئی قادر نہیں ہے تو وہ پانی سے افطار کرائے تو خداوند عالم روز قیامت آب کوثر سے سیراب کریگا۔ حضرات یہ خداوند عالم کی رحمت نہیں تو کیا ہے؟ روزہ دار کو کھانا کھلانے کیوجہ سے نار جہنم سے نجات ملتی ہے۔ حالانکہ کھانا کھلانے میں کوئی بڑی بات نہیں۔ متعدد مرتبہ آپ اپنے دوستوں کی دعوت کر چکے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ اس بات میں اگر ہمیں کوئی ضرر مالی نہیں تو روزہ دار کو کھانا کھلانے سے کیونکر ضرر ہوگا۔ واللہ یہ مفت کا ثواب ہے۔ قدرت نے ہماری نجات صرف کھانا کھلانے میں رکھ دی پھر اس حد تک نوبت پہنچی کہ اگر کھانا کھلانا تمکو شاق گزرتا ہے تو صرف روزہ دار کو پانی پلا دو تم کو وہی ثواب حاصل ہو جائے گا۔ پھر اس صادق الوعد نے فرمایا کہ آج تم روزہ دار کو فقط پانی سے سیراب کرو۔ میں تم کو آب کوثر سے سیراب کرونگا۔ کسقدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ رمضان المبارک کے دنوں کو مثل اور دنوں اور مہینوں کے فضولیات میں نہیں گزارتے بلکہ اس مہینہ کو عبادت الٰہی میں گذارتے ہیں۔ ان کے چہروں پر رونق آجاتی ہے جب ہلال رمضان ان کو نظر آتا ہے اور کسقدر بد بخت ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے ماہ رمضان کا چاند دیکھا تو اُنکے چہرے مُرجھا گئے۔ افسوس اب کھانے پینے کی آزادی سلب ہوگئی۔

بہت عظیم الشان اور مبارک ہے یہ مہینہ۔ کیا کہنا اس مہینہ کی عظمت اور قدر و منزلت کے۔ جسطرح دنوں میں جمعہ افضل ہے اسی طرح مہینوں میں یہ مہینہ افضل و متبرک ہے۔ سرور کائناتؐ نے فرمایا ماہ رجب میرے اخی علیؑ ابن ابی طالب کی طرف منسوب ہے اور شعبان میرا مہینہ ہے۔ جبکہ ماہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ رمضان خداوند تبارک و تعالیٰ کے ناموں میں سے

ایک نام ہے۔اس لیے اس مہینہ کو رمضان آیا اور رمضان گیا نہ کہو کیونکہ رمضان تو خدا کا نام ہے نہ خدا کہیں آسکتا ہے نہ کہیں جا سکتا ہے۔ بلکہ کہیں ماہ رمضان آیا اور ماہ رمضان گیا۔

خداوند عالم نے اپنی زبان قدرت سے ماہ رمضان کی عظمت ومنزلت دکھانے کی غرض سے فرمایا ''**شھر رمضان الذی انزل فیه القران ھدی للنا س و بینا ت من الھدی**'' اور احادیث معتبر میں وارد ہوا ہے ماہ رمضان میں شیاطین قید ہو جاتے ہیں اور دروازے بہشت کے کھول دیئے جاتے ہیں۔اس ماہ میں روزہ دار کا سونا عبادت ہے۔ جتنا مال کھانے پینے میں صرف کیجئے۔اس کی قیامت کے روز پُرسش نہ ہوگی تو ذرا انصاف کیجئے کسقدر خداوند عالم کی رحمت ہے ویسے تو ہمارے کھانے پینے کے ایک ایک دانے اور ایک ایک گھونٹ کا حساب ہوگا اور اس کے متعلق ہم کو جواب دینا ہوگا۔لیکن ماہ رمضان المبارک میں جتنا کوئی اپنے کھانے اور پینے میں صرف کرے اسکا کوئی حساب نہ ہوگا۔عمدہ کھانے ہی کیوں نہ کھائیں۔ بلکہ خداوند عالم نے وعدہ فرمایا اس ماہ میں جہاں تلک تم سے ممکن ہو سکے عمدہ کھانے کھاؤ! اُدھار لیکر کھانا پڑے تو اس اُدھار کو ادا کرنا میری ذمہ داری ہے۔میں اسے ادا کروں گا۔ ہر روز ماہ رمضان میں افطار کے وقت ہزار آدمی آگ جہنم سے آزاد ہوتے ہیں۔اور جب جمعہ کی شب اور دن ہوتا ہے تو ہر ساعت میں ہزار ہزار آدمی نار جہنم سے آزاد ہوتے ہیں۔ "**روی عن النبی انه قال ان اللہ عزو جل فی کل یوم من شھر رمضان عند الافطار الف عتیق من النار فاذا کان یوم الجمعه و لیلة الجمعة اعتق اللہ تعالیٰ فی کل ساعة منھما الف الف عتیق کلا منھم قدا ستوجب النا ر**''. نبی کریمؐ نے فرمایا۔تحقیق اللہ تعالیٰ ماہ رمضان میں ہر روز بوقت افطار ہزار جہنمیوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے اور جب ماہ رمضان میں جمعہ کی رات اور دن ہوتا ہے تو ان میں ہر ساعت کے بدلے ہزار ہزار آدمیوں کو نار دوزخ سے آزادی دیتا ہے۔حالت روزہ میں سانس لینا بمنزل ایک تسبیح کے ثواب کے ہے اور تسبیح کی فضیلیت کیا ہے؟ حضرت رسولؐ خدا فرماتے ہیں۔**وقا ل رسول اللہ سبحان اللہ وا لحمد للہ و لا الہ الا اللہ وا للہ اکبر**

سید التسابیح فمن قال فی یوم ثلا ثین مرة کان خیراً له من عتق رقبه و کان خیراًله من عشرة آلاف فرس یوجهها فی سبیل الله و ما یقوم من مقا مه الا مغفورًاله الذنوب وا عطا ه الله بکل حرف مدینه فی الجنه یعنی سبحان الله والحمدلله و لا اله الا الله و الله اکبر تمام تسبیحوں کی سردار ہے۔بس جو شخص دن میں تیس مرتبہ اس تسبیح کو کہے تو یہ تسبیح عتق رقبہ (غلام آزاد کرنے) سے بہتر ہےاور دس ہزار گھوڑے راہ خدا میں بھیجنے سے بہتر ہےاور وہ شخص اپنے مقام سے نہ اُٹھے گا مگر یہ کہ اُس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خداوند عالم اس کو ہر ایک حرف کے عوض ایک شہر جنت میں عطا کرے گا۔'' تو سُنا آپ حضرات نے تسبیح کی فضیلت کو اور اسی طرح جامع الاخبار میں معصومؑ سے منقول ہے کہ من قال مآة مرة سبحان الله و الحمد لله و لا اله الا الله و الله اکبر کتب اسمه فی دیوان الصدیقین وله ثواب الصدیقین وله بکل حرف نور علی الصراط ویکون فی الجنه رفیق خضرؑ سُنا آپ نے قول امام کہ جو کوئی سو مرتبہ تسبیحات اربعہ کہے گا تو دیوان الصدیقین میں اس کا نام لکھا جائے گا۔اور اس کیلئے صدیقین کا ثواب ہےاور اس کیلئے ہر حرف کے بدلے پُل صراط پر نور ہو گا۔اور جنت میں حضرت خضرؑ اس کے ساتھی اور رفیق ہونگے۔

اب ذرا صدیقین کی منزلت پر غور فرمایئے اور تلاش کیجئے کہ صدیقین کون لوگ ہیں اور اُن کے کیا مراتب و درجات خداوند عالم کے نزدیک ہیں؟ جناب امیرؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ انا الصدیق الا کبر اور حضرت امام جعفر صادقؑ کا بھی ارشاد ہے۔ نحن الصدیق الاکبر . اب آپ حضرات پر آئمہ علیھم السلام کی قدر و منزلت جو خدا کے نزدیک ہے مخفی نہیں رہی اور یہ مرتبہ مومن کو صرف سو مرتبہ سُبحان الله و الحمدلله و لا اله الا الله والله اکبر کہنے سے ملتا ہےاور روزہ دار کی صرف ایک سانس کے ثواب کے برابر ہے۔پھر امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔سبحان الله خیر من جبل فضة یتصدق فی سبیل الله و الحمد لله خیر من جبل ذهب فی سبیل الله ولا اله الا الله خیر من الدنیا والا خرة وما فیها

یقدمھاا لرجل بین یدیہ واللہ اکبر خیر من عتق الف رقبہ فمن یقول کل یوم ماۃ مرتہ سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر حرم اللہ جسدہ علی النار. سبحان اللہ کہنا بہتر ہےاس چاندی کے پہاڑ سے جواللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔والحمدللہ کہنا بہتر ہےاس سونے کے پہاڑ سے جوراہ خدامیں خرچ کیا جائے۔لاالہ لا اللہ کہنا بہتر ہے دنیا اورآخرت سے اور جو کچھ اُن میں ہے واللہ اکبر بہتر ہے ہزار غلام ازاد کرنے سے اور جو شخص سو مرتبہ یہ تسبیحات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس شخص پر آتش جہنم کوحرام قرار دیتا ہے۔کیوں نہ اس تسبیح کی فضیلت عظیم ہو۔یہ تسبیح سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر جناب فاطمہ صلواۃ اللہ علیھا کی طرف منسوب ہے جس کا ہرنماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے بلکہ امام جعفرصادق نے فرمایا ہے کئی رکعت نافلہ سے اُسکا ثواب زیادہ ہے منقول ہے کہ ایک روز جناب سیدہ نساء العالمین فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیھا اپنے گھر کے کام کاج سے ذرا ملول ہوگئیں تو اپنے والد بزرگوار کے پاس تشریف لائیں اورلونڈی کی استدعا کی۔حضرت رسالتمآبؐ نے لونڈی کے عوض اسی تسبیح کا پڑھنا ارشادفرمایا تو صابرۂ بی بی نے یہ ارشاد اپنے والد سے سُنا تو بس دل خوش ہوگیا۔کام کاج کی تھکن رفع ہوگئی۔

بس مسلمانو!حقیقت میں یہی گھرانہ اہلبیتؑ کے افراد معبود حقیقی کے حقیقی عبادت گزار بندے تھے کہ باوجود گھر کے کاروبار کے بھی یادالٰہی سے غافل نہ ہوتے تھے۔اگرعبادت میں اضافہ کردیں تو کاروبار کی تھکن ومشقت قلب سے محو ہوجاتی ہے یہ آپ کے رسولؐ کی شہزادی کا عالم تھا۔گھر کے کام بھی انجام دیا کرتی تھیں اور یادالٰہی سے بھی غافل نہ ہوئیں۔اوراب ذرا اپنے امام کی عبادت اورتقویٰ کیطرف نظر اُٹھایئے کہ دن بھر اہل وعیال کیلئے اُجرت پر یہودیوں کے باغ میں کام کرتے لیکن رات کے وقت عبادت کا یہ عالم تھا کہ ہررات ہمسائیہ سترتکبیر کی آواز سُنا کرتے تھے۔دن بھرروزہ سے رہا کرتے تھے۔اورکبھی سیرشکم ہوکرطعام تناول نہ فرمایا۔باوجودیکہ کہ دوعالم کے بادشاہ تھے۔وجہ یہ تھی کہ کل کو قیامت کے روز کوئی یہ نہ کہے کہ علیؑ پیٹ بھر کے سو

جاتے تھے اور ہم بھوکے سوتے تھے۔تقویٰ کی چشم قدرت میں کس قدر و منزلت ہے اللہ تعالیٰ خود اپنی زبانِ قدرت سے فرماتا ہے۔آگاہ ہو جاؤ خوب سمجھ لو۔ واتقوا اللہ و اعلموا ان اللہ مع المتقین ۔(سورۃ بقرہ آیت ۱۹۴)۔دوبارہ دوسرے پارہ میں ارشاد خالق حقیقی ہوتا ہے۔ و اتقوا اللہ و اعلموا ان اللہ شدید العقاب (سورۃ بقرہ آیت ۱۹۶) عقل متحیر ہے کسقدر تقویٰ حق تعالیٰ کو پسند ہے سہ بارہ اسی پارہ میں ارشاد فرمایا۔وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ واتقون یا ولی الالباب (سورۃ بقرہ آیت ۱۹۷) اور تم راستے کیلئے زادِراہ مہیا کرو سب سے بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔اے صاحبان عقل مجھ سے ڈرو۔اور آٹھویں پارہ میں پھر ارشاد فرمایا۔وھذا کتاب انزلناہ مبارک فاتبعوہُ و اتقوا لعلکم ترحمون (سورۃ انعام آیت ۱۵۶)۔یہ کتاب کہ جسکو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے اور تم لوگ اس کی پیروی کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم رحم کیئے جاؤ اور تیسرے پارے میں اعلان فرمایا. قل أو نبئکم بخیر من ذٰلکم للذین اتقوا عند ربھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا وازواج مطھرۃ ورضوان من اللہ و اللہ بصیر بالعباد (سورۃ آل عمران آیت ۱۵) میں تم کو ان سب چیزوں سے بہتر چیز بتاؤں (اچھا سنو) جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔اُن کیلئے اُنکے خدا کے پاس بہشت کے وہ باغات ہیں کہ جنکے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے نیز اُن کیلئے پاکیزہ بیویاں ہیں اور سب سے بڑھکر خدا کی خوشنودی ہے اور خدا اُن بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

سُنی آپ نے تقویٰ کی قدر و وقعت خدا کے نزدیک کس قدر عظیم الشان ہے تو بس حضرات ہم کو اس امر کی کوشش کرنا چاہیے کہ متقی و پرہیز گار بندے بن کر اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کریں۔تقویٰ کے معنی ہی یہی ہیں کہ بندہ اپنے معبود و مسجود حقیقی سے یوں ڈرے کہ وہ دیکھے کہ جس عمل کو انجام دے رہا ہے وہ رضائے خدا کے مطابق ہے یا نہیں اگر رضائے پروردگار کے مطابق ہے تو انجام دے۔ورنہ اسے ترک کر دے۔مگر افسوس کہ تقویٰ یعنی خوف خدا ہمارے دلوں

سے اُٹھ گیا ہے اگر خوف خدا ہوتا تو صرف ہم اعمال حسنہ بجالاتے اور افعال سئیہ سے پرہیز کرتے ہاں بس زبانی دعویٰ واللہ زبانی دعویٰ ہے کہ کہتے ہیں ہم خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ میں عرض کرتا ہوں اگر یہ دعویٰ سچا ہوتا تو یقیناً ہم سے واجبات کا ترک اور محرمات کا صدور نہ ہوتا۔ ہم سے نماز قضا نہ ہوتی جو کہ افضل عبادت ہے جس کے متعلق حضرت رسالتمابؐ نے ارشاد فرمایا کہ صلوٰۃ افضل الاعمال ہے۔ دیکھا اے ایمان والو۔ ان قبلت قبلت ما سواھا و ان ردت ردت ما سواھا یعنی اگر نماز قبول ہوگئی تو سارے اعمال قبول ہوجائینگے اور اگر یہ نماز رد کردی گئی تو جتنے اعمال خیر ادا کئے وہ سب کے سب رد ہوجائیں گے۔ اگر ہمارے دلوں میں خوف خدا ہوتا تو ماہ رمضان کے روزے کہ جن کے متعلق صاحب ماینطق عن الھویٰ کی زبانی ارشاد ہوا ہے۔ الصوم جنۃ للنار کہ روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔ ہم سے ہرگز ہرگز قضا نہ ہوتے۔ اگر خوف خدا ہمارے قلوب میں ہوتا تو زنا کاری و شراب خوری کے ہم کبھی نہ مرتکب ہوتے۔ منجملہ افعال سئیہ کے سود خوری بھی خدا کے نزدیک بہت مبغوض ترین عمل ہے اس کی مذمت اور امتناع کیلئے تیسرے پارہ میں ارشاد ہوا۔ الذین یا کلون الربوٰا لا یقومون الّا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰنُ من المس ذٰلک با نھم قالوا انما البیع مثل الربوٰا وَاَحَلَّ اللہ البیع و حرم الربوٰا (سورۃ بقرہ آیت ۲۷۵) ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ بس اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جس کو شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو اور یہ اس وجہ سے مائل ہو گئے کہ جیسا بکری کا معاملہ ہے ویسا ہی ربا یعنی سود ہے حالانکہ بکری کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے''۔ اور پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے سود خورو! آگاہ ہو جاؤ۔ یمحق اللہ الربوٰا ویربی الصَّدَقٰت واللہ لا یحب کل کفارِ اثیم۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۷۶) خدا ربا یعنی سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور جتنے ناشکر گذار گنہگار ہیں خدا انہیں دوست نہیں رکھتا ہے۔ بس اے مومنین خدا سے ڈرو اور سود کھانے سے بچو۔ سود کھانے والے پر خدا کے رسولؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ جب ہمارے دلوں میں خوف خدا گھر کر جائے گا۔ تو یقیناً ہمکو سود سے رغبت نہ ہوگی۔ اسی

وجہ سے خدا نے امتناع سود سے پہلے ارشاد فرمایا۔ یا یہا الذین امنوا اتقوا اللہ وَ ذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مومنین (سورۃ بقرہ آیت ۲۷۸) مومنین پہلے تم خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور جو سود کہ لوگوں کے ذمہ رہ گیا ہے اگر تم سچے مومن ہو تو اسے چھوڑ دو"۔ لیکن یہ بات بھی معلوم ہو کہ اگرچہ قرآن نے حرمت سود عام قرار دی ہے مگر شارع اسلام جو کہ قرآنی مطالب و معانی سے حقیقتاً واقف ہیں کچھ قسمیں سود کی مستثنیٰ فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر کفار سے سود لینا بلکہ کفار سے سود تو بجائے خود ان کا سب مال جسطرح چاہیں لے سکتے ہیں، کفار کا کل مال ہمارا مال ہے۔ توراۃ میں ہے کہ صرف خدا کی جماعت سے نہ لیا جائے اسطرح کفار منع سود کے حکم سے خارج ہو گئے۔ مسلمانوں سے سود لینے کے متعلق حضرت سرور عالمؐ نے سود اور اس کے کھانے والے اور فروخت کرنے والے اسکے کاتب و گواہ پر لعنت فرمائی ہے۔ مطلب اس بیان کا یہ ہے کہ جس جگہ بھی خدا نے فعل بد سے منع فرمایا تو پہلے ارشاد فرمایا تقویٰ اختیار کرو۔ پہلے اپنے آپ کو متقی و پرہیزگار بناؤ پھر ترک فعل بد کرو۔

جیسا کہ گیارہویں پارہ میں ارشادِ باری ہوتا ہے۔ یا یہا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین ۔ اے صاحبان ایمان پہلے تم اللہ سے ڈرو اور اس کے بعد صادقین کے ساتھ ہو جاؤ تو معلوم ہوا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ سچوں میں داخل ہو جائیں تو پہلے ہمیں اپنے آپ کو متقی بنانا ہو گا۔ تب صادقین کے زمرہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جب تک خوف ہمارے دلوں میں نہ ہو گا اس وقت تک ہم اس قابل نہیں کہ صادقین کی جماعت میں ہم شمار ہو سکیں اگر ہم صادقین کا ساتھ چاہتے ہیں تو ہم کو صادقین کی تلاش کرنی چاہیے کہ صادقین کے لقب سے کون مراد ہیں اور اُن کی خدا کے نزدیک قدر و منزلت کیا ہے؟ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اگر صیغہ واحد ہوتا تو ضرور وہی ایک ذات مُراد ہوتی جسکو اہل اسلام تو بجائے خود کفار بھی صادق کے نام سے پُکارتے تھے لیکن جمع کا صیغہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہم کو ایسی جماعت کی تلاش کرنا چاہیے جس کے اقوال و افعال میں کسی قسم کا تضاد، اختلاف نہ ہو۔ کذب کا شائبہ نہ ہو۔

رسولِ خدا نے ہمکو ایک ذات پہچوادی ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں۔ انت اول من امن بی و صدقنی و انت الصدیق الا کبر ۔ اے علیؑ تو ہی پہلا شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور میری نبوت کی تصدیق کی اور تو ہی صدیق اکبر ہے خود حضرت امیرؑ خیبر گیر علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی زُبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے۔ انا الصدیق الاکبر اور حضرت امام جعفر صادقؑ فرمایا کرتے تھے۔ نحن الصدیق الاکبر ہم گھرانہ اہلبیتؑ نبوت ہی صدیق اکبر ہیں۔ تو معلوم ہو گیا کہ انہی صدیقین کی معیت کیلئے خداوند عالم نے ہم کو تقویٰ کا حکم دیا ہے کہ مومنین پہلے تقویٰ اختیار کرلو پھر صادقین یعنی اہلبیتؑ محمدؐ کے ساتھ ہونا۔ بس اگر ہمیں آل محمدؐ کے ساتھ ہونا ہے تو ان کی اتباع کر کے پہلے اپنے آپکو متقی بنالیں۔

جب تک ہم متقی و پرہیز گار نہ بنیں گے ہر گز ہر گز ہم شیعان علیؑ کہلوانے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ بغیر تقویٰ کے علیؑ ہمارے امام کیسے بن سکتے ہیں۔ ان کا تو لقب ہی امام المتقین ہے۔ یعنی وہ صرف متقی لوگوں کے امام ہیں۔ ہر روز اذان میں آپ گواہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اشھد ان امیر المومنین و امام المتقین علیاً ولی الله ۔ شیعہ علیؑ کہلانا مقصود ہے تو تقویٰ خدا اختیار کرو۔ جسطرح خدا نے چاہا اسی طرح امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ کے متعدد خطبوں میں تقویٰ کی تاکید و تائید فرمائی ہے۔ اوصیکم ایھا النا س بتقوی الله و کثرة حمده علی الا نه الیکم و نعما نه علیکم و بلائه لدیکم فکم خصکم بنعمته و تدار ککم بر حمته اعور تم له فستر کم و تعرضتم لِاَخذه فا مهلکم (خطبہ ۱۸۶) اے لوگو! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی ان نعمتوں پر جو اُس نے تمہیں دیں۔ ان نعمات پر جو تمہیں بخشیں اور اُن احسانات پر جو تم پر ہمیشہ کئے ہیں۔ بکثرت حمد و ستائش کی نصیحت کرتا ہوں۔ کتنا ہی اس نے تمہیں اپنی نعمتوں کیلئے مخصوص کیا اور اپنی رحمت سے تمہاری دستگیری کی ہے۔ تم نے اعلانیہ برائیاں کیں لیکن اس نے تمہاری پردہ پوشی کی تم نے ایسی حرکتیں کیں جو قابل گرفت تھیں مگر اس نے تمہیں ڈھیل دی۔ پھر خطبہ ۱۵۵ میں فرمایا۔ فا عتصمو ا بتقوی الله فان لھا حبلاً و ثیقاً عروته ۔ ''لازم ہے کہ خوف الٰہی سے لپٹے رہو۔ اس لیے کہ اس کی رسی کے بندھن مضبوط ہیں''۔ پھر ارشاد فرمایا۔ اوصیکم عبا دالله بتقوی الله فا نها حق الله

علیکم والموجبة علی الله حقکم وان تستعینوا علیها بالله و تستعینوابها علی الله فان التقوىٰ فی الیوم الحرز و الجنه و فی غدِالطریق الی الجنه مسلکها واضح و سالکها رابح (خطبہ۱۸۹) میری ہزار جان فدا ہو اس امامؑ پر، دیکھیے کسقدر رز وردار لفظوں میں تاکید کرتے ہیں۔ کسقدر معرفت میں ڈوبی ہوئی کلام ہے ارشاد ہوتا کہ اۓ بندگان خدا تمکو تقویٰ خدا کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تقویٰ خدا کا حق ہے تم پر اور تمہارے حق (نصرت) کو خدا پر واجب کرنے والا ہے۔ اللہ سے اس پر استقامت چاہو۔ بس تقویٰ آج کے روز سپر اور کل کے دن جنت کا راستہ ہے۔ ایسا راستہ جو کہ واضح ہے اور اسپر راہ چلنے والا نفع اُٹھانے والا ہے۔

ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ او صیکم عبا دالله بتقوی الله فانهاا لزمام و القوام فتمسکو بوثائقها و اعتصموابحقائقها (خطبہ۱۹۳) اللہ کے بندو! میں تمہیں خوف خدا کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تقویٰ ایک قسم کی مہار ہے جو سعادت کیطرف کھینچتی ہے یہ تقویٰ عیش و وسعت ہے۔ اس کے وثائق سے متمسک رہو اور اس تقویٰ الہٰی کے حقائق کو مضبوط پکڑو۔

اس طرح امام المتقین علیؑ نے دنیا کی مذمت کرنے سے پہلے ارشاد فرمایا۔ او صیکم عبا دالله بتقوی الله و احزر کم الدنیا فانها دار شخوص و محلة تنغیص ساکنها ظا عن قاطنها بائن (خطبہ۱۹۴) اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس دنیا سے متنبہ کرتا ہوں جو کوچ کی جگہ ہے اور بے لطفی اور بدمزگی کا مقام ہے اس میں بسنے والا اس سے چلے جانے پر مجبور ہے اور ٹھہرنے والا اپنا رخ موڑ کر اس سے الگ ہو جائیگا۔

بس اب کہاں تک اس حضرتؑ کے اقوال جو تقویٰ سے متعلق ہیں بیان کروں کہیں تو فرماتے ہیں او صیکم عبا د الله بتقوی الله اور کہیں ارشاد فرمایا ایها الناس علیکم بتقوىٰ الله، اۓ لوگو! آگاہ ہو جاؤ تمہارے اوپر خدا سے ڈرنا واجب ہے کسقدر آپؑ نے تقویٰ کیلئے تاکید فرمائی کتنی شدید خواہش ہے امام کی کہ آپ متقی و پرہیزگار بن جائیں تو اب مناسب یہی ہے کہ اپنے امام حق کی تمنا کو پورا کریں اور متقی بن کر امام کے متبعین میں شمار ہو جائیں۔ تقویٰ کے ذریعے ہم اپنی قدر و منزلت امامؑ و رسولؐ کے نزدیک بڑھا سکتے ہیں۔

روزہ اور تقویٰ (۲)

میں عرض کر چکا ہوں کہ خدا قادر و توانا نے جو ہم کو روزے رکھنے کیلئے مامور فرمایا ہے تو منشا خداوند عالم کا یہ ہے کہ ہم متقی و پرہیز گار بن جائیں اور یوم قیامت فلاح پا جائیں۔ بس قدرت نے ہمارے روزوں کو ایک قسم کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جس کے ذریعے سے متقی و پرہیز گار بن سکتے ہیں۔ لیکن ہاں اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ روزہ رکھنے کا جسطرح حق ہے اسی طرح رکھا جائے ضرور ہماری تکلیف برداشت کرنا فضول ثابت نہ ہوگی اور یقیناً ہم کو اجر ملے گا۔ ہم بھی متقین و پرہیز گاروں کے زمرہ میں شمار ہونگے مسلمانو! ہم کو اپنی حالت پر رونا آتا ہے کہ اس رحیم و کریم نے ہماری رستگاری و بخشش کیلئے کس قدر طریقے قرار دیئے لیکن ہم نے ان احکام کو بجالانے میں سعی نہ کی اور اگر ان کو بجالائے تو وہ بالکل ناقص رہ گئے۔ کیونکہ جن شرائط کے تحت ان احکام کو بجا لانا تھا انہیں ترک کر دیا۔ جن اعمال سے منع کیا گیا تھا ان کے ہم مرتکب ہو گئے اور ہمہ تن ہم ان میں مشغول ہو گئے جس کی وجہ سے وہ اعمال و افعال ناقص واقع ہوئے اور قدرت کی درگاہ میں ٹھکرا دیئے گئے، نہ روزہ ہمارا قدرت کے نزدیک منظور ہوا، نہ نماز کیونکہ جن شرائط کے تحت ان احکام کے بجالانے کیلئے ہمیں حکم دیا گیا تھا ان کیطرف ہم بالکل راغب نہ ہوئے جس کی وجہ سے مقصد حاصل نہ ہوا۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ ”اَلصَّلٰوۃُ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ“ (سورہ نحل آیت نمبر ۹۰) کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ نمازیں پڑھیں، لیکن ہم سے افعال سیئہ کا احداث ہوتا رہا۔ وجہ یہ ہے کہ جن شرائط کے ساتھ ہمیں بجالانے کو کہا گیا وہ ہم سے مفقود ہو گئیں اور جن سے روکا گیا تھا ان کو ہم بجالائے۔ اسی طرح روزوں کیلئے بھی قدرت کا ارشاد ہوا کہ تمہارے اُوپر روزے فرض کیے گئے تا کہ متقی و پرہیز گار بن سکو۔ ہم برسوں ماہ رمضان کے

روزے بجالائے مگر تقویٰ و زُہد کی علامات ہمارے اُوپر ظاہر نہ ہو پائیں۔ خداوند عالم تو صادق الوعد ہے اور اس کے وعدہ میں تخلف کا شائبہ نہیں آسکتا۔ قدرت نے روزے کو ذریعہ تقویٰ و زُہد قرار دیا ہے تو اُن کے ذریعے سے یقیناً انسان متقی و زاہد بن سکتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ ہم نے روزے تو رکھے لیکن اُن میں رخنہ ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے وہ نظر قدرت میں منظور ہونے کے قابل نہ بن سکے۔ کیونکہ ہم اُن روزوں کی شرائط نہ بجالائے جس کی وجہ سے وہ ہمارے لیے محض تکلیف بن کر رہ گئے۔ ایک تو خود روزوں میں نقص دوسرا یہ کہ اُن کے رکھنے سے ہم نے اپنے دل میں تکبر و غرور کو جگہ دے دی اور دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اب ہمارا شمار مقربینِ خدا میں ہو گیا۔ اب گنہگار لوگوں سے نفرت کرنے لگے اور اپنے کو نیکوکار سمجھ کر دوسروں کو ذلت کی نظر سے دیکھنے لگے واللہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے اور خدا کے نزدیک نہایت مبغوض ترین ہے۔ بس عبادات میں اس کا تاثر آیا تو عبادات مردود ہو گئیں اور ہمارے لیے عذاب کا باعث بن گئیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اِس تکبر و نخوت و غرور و گھمنڈ سے پرہیز کریں۔ یہ بہت بُرا مرض ہے عبادت کیلئے گھن بن جاتا ہے اور جو عبادات اس مرض سے خالی ہونگی یقیناً چشم قدرت میں منظور و ماجور ہونگی تکبر و نخوت کی بجائے خلوص اور خشوع و خضوع عبادات کو چشم قدرت میں منظور و مقبول ہونے کے قابل بنا دے گا۔ ان عبادات کو بجالانے والے یقیناً فلاح پانے والے ہونگے۔ جیسا کہ خدائے برتر و بزرگ نے خود ارشاد فرمایا " قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ " وہ ایمان والے یقیناً فلاح پائیں گے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں"۔

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ ہمیں واقعی اپنی حالت پر گریہ کرنا چاہیے۔ ایک تو ہماری نمازیں اور روزے خلوص کے ساتھ نہیں دوسرا ان میں غرور و تکبر کا شائبہ آجاتا ہے ہم لوگوں نے اپنے آپ کو مومنین میں شمار کیا جبکہ ہمارے اعمال کی یہ حالت، پھر دعویٰ اتنا بڑا۔ ہمیں شرم آنی چاہیے۔ ہم تو اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے قابل بھی نہیں۔ پہلے اپنے آپ کو اس قدر تو بنا لیجئے کہ مسلمانوں میں شمار ہونے لگیں۔ اس کے بعد ایمان والوں کی نوبت آئیگی۔ اعراب کے متعلق کلام الٰہی میں

وارد ہوا "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ٠" بدوی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اے رسولؐ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ (سورہ حجرات ۱۴)

بہر حال اسلام سے ایمان کی منزل بلند و برتر ہے ہر مسلم کو مومن نہ کہیں گے کیونکہ اقرار باللسان کا نام ہے اسلام اور ایمان کی نوبت تب آئے گی جب معرفته با لجنان، اقرار باللسان وعمل بالا رکان کے مراحل طے کرلیے جائیں گے۔ رسول خدا صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا "الایمان اقرار و عمل و الا سلام اقرار بلا عمل" ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مومن ہیں جبکہ حقیقتاً ہم مسلم بھی نہیں ہیں کیونکہ رسولؐ خدا نے فرمایا "المسلم من سلم المسلون من لسانه ویده" یعنی مسلم وہ شخص ہے کہ دوسرے مسلمان اُسکی زبان و ہاتھ سے سالم رہیں۔ لیکن ہم اپنی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آج کل ہمارا شیوہ ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کو ایذا پہنچائینگے۔ اگر ہاتھ سے ایذا رسانی نہ کرسکیں گے تو زبان کے ساتھ ایذا پہنچانے سے کبھی نہ رُکیں گے۔ جس مجلس و مجمع میں جائیں جہاں کہیں چار آدمیوں کو جمع پائیں سوائے غیبت کے ان کو کوئی اور سروکار نہیں۔ یہ تو ہم مسلمانوں کی حالت ہے کہ ایک مسلم دوسرے مسلم بھائی کی غیبت میں دل کشادہ ہے جب ہماری یہ حالت ہوگئی ہے تو کیونکر ہمارے عمل قبول بارگاہ الٰہی ہوں گے؟ پھر اُن کے ذریعے ہم جنت کے امیدوار کس طرح ہو سکتے ہیں؟ خداوند عالم نے اپنے کلامِ مقدس میں غیبت کی مذمت یوں فرمائی ہے "اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا" کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ (حجرات ۱۲)

اب ذرا صاحب شریعت رسولؐ کہ جن کی شریعت کا ہم اپنے کو پیرو کار قرار دیتے ہیں ان کی زبانی بھی غیبت کی مذمت سُنیے "ایا کم و الغیبة ان الغیبة اشد من الزنا" !اے

مسلمانو! غیبت سے ڈرنا، غیبت زنا سے شدید تر ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم مسلمان کہلانے کے قابل نہیں تو کیونکر مومن ہو سکتے ہیں؟ اپنے آپ کو آئمہؑ کے متبعین کی قطار میں شمار کرتے ہیں کیونکر آئمہ علیہم السلام ہم سے راضی ہونگے؟ کیونکر ہم اُن کے محب بن سکتے ہیں؟ ہمیشہ سے قاعدہ رہا ہے کہ حقیقی محبّ اپنے حبیب کی رضا مندی کے موافق اعمال وافعال بجالاتا ہے۔ اگر محبّ اپنے حبیب کی رضا جوئی کیلئے وہ عمل بجالائے جس سے کہ اُس کی روح خوش ہو جائے اُوران اعمال سے بچ جائے جن سے اس کی رُوح ناخوش ہو تو یقیناً یہ شخص اپنے حبیب کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوگا تو اب میں عرض کرتا ہوں کہ آئمہ علیہم السلام ہم سے تب راضی ہونگے جب ہم سے وہ اعمال وافعال سرزد ہوں جو اُن کی ناراضگی کا باعث نہ بنیں۔ واللہ اگر ہمیں آئمہ ھدیٰؑ کے ساتھ محبت ہوتی تو ہرگز ہرگز یہ افعال ناشائستہ ہم سے سرزد نہ ہوتے۔ بس صرف ہمارا زبانی دعویٰ ہے کہ ہم محبانِ اہلبیتؑ ہیں۔ اگر حقیقی مُحبین و متبعین آئمہ علیہم السلام ہونا مقصود ہے تو آیئے اُن کی سیرت کو پیش نظر رکھ کر عمل بجالائیں اُن کی عبادت کس درجہ کی ہوتی تھی اور کس قدر خوف خدا اور خشوع وخضوع اُن کی عبادات میں ہوا کرتا تھا۔ وہ اس طرح بارگاہ معبود میں حاضر ہوتے تھے کہ اگر تیر پیر سے نکال لیا جائے تو کسی قسم کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اب ذرا عبادت جہاد ملاحظہ فرمایئے۔ ایک ضربت **عبادۃ الثقلین** سے افضل قرار پائی۔ حضرت امیرؑ کے علاوہ بھی بہت سے مسلمانوں نے جہاد کیے اور ہزاروں ضربیں اُن کی کفار کے سروں پر پڑیں لیکن وہ **عبادۃ الثقلین** سے کیوں نہ افضل ہونے پائیں؟ وجہ یہ ہے کہ ان کی ضربتوں میں وہ خلوص نہ تھا جو ضربت علیؑ میں تھا۔ کوئی ایسی شب نہ ہوئی جس میں ہمسائیوں نے ستر تکبیریں نہ سُنی ہوں۔ اس قدر طولانی سجدے خشوع وخضوع کے ساتھ ہوتے تھے کہ حضرت اُم کلثوم نقل کرتی ہیں کہ گمان ہوتا تھا کہ بابا کی روح تو پرواز نہیں کر گئی۔ عبادات میں خضوع وخشوع کا نام یہ ہے کہ اللہ کی طرف دل راغب ہو جائے تو پھر غیر کیطرف توجہ نہ ہونے پائے۔ ذرا اپنے چوتھے امام زین العابدینؑ کا خوف خدا ملاحظہ فرمایئے کہ جب خالق کا نام زبان پر آیا تو سربسجود ہو گئے۔ سید الساجدینؑ لقب پڑ گیا اور

عبادت میں خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ کا پانچ سالہ بچہ کنویں میں گر جائے اور خبر دینے والے مطلع بھی کر دیں لیکن اپنے معبود سے اسقدر اتصال ہوتا کہ محبتِ اولاد کا دل میں گذر نہ ہوتا تھا۔ روایت میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ شیطان سانپ بن کر حضرت زین العابدینؑ کا انگوٹھا منہ میں لیکر چبانے لگا تو حضرتؑ اسقدر محوِ عبادت تھے کہ مطلق احساس نہ ہوا، شیطان نے شرمندہ ہوکر کہا واللہ تو ہی زین العابدینؑ ہے۔ یہ آپکے آئمہ ھدیٰؑ کی عبادت تھی۔ باوجود اس قدر پُر خلوص عبادت کے عجب وغرور کو جگہ نہ دی ہمیشہ اپنے کو معبودِ حقیقی کے سامنے عاجز وفقیر خیال کیا۔ بلکہ حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے **الفقر فخری**، یعنی فقر میرے لیے فخر ہے۔ منقول ہے کہ جبرائیلؑ ارض وسما کے خزانوں کی کنجیاں لیکر عرض گذار ہوئے کہ یہ کنجیاں خزانوں کی لیجئے خداوند عالم نے بعد سلام کے فرمایا کہ اس سے تیری عزت میں کسی قسم کی کمی نہ آئے گی۔ لیکن حضرتؐ فرماتے ہیں کہ جبرائیل مجھے اس بات میں فخر ہے کہ رات کو سیر شکم رہوں اور صبح کو بھوکا رہوں تاکہ اپنے مالک ورازق کے آگے دستِ سوال دراز کروں۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ قدمِ اقدس پر ورم آجاتا تھا لیکن پھر بھی اس عظیم الشان عبادت کو ہرگز کثیر تصور نہ کیا بلکہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ " **الھی ما عبدناک حق عبادتک وَ ما عرفناک حق معرفتک ۰** " اے پالنے والے ہم نے تیری عبادت اس طرح نہ کی جیسا کہ عبادت کرنے کا حق تھا اور جس طرح تیرے پہچاننے کا حق تھا اس طرح ہم نے نہ پہچانا۔ تو حضرات جو فخر المرسلین اور رحمت العالمین ہیں ان کی عبادت کا یہ عالم تھا لیکن بوجہ اسقدر عظیم الشان عبادت کے بھی خوف خدا اسقدر دل میں سمایا ہوا ہوتا تھا کہ خدا کا ذکر آتا تو حضرت روتے روتے غش کر جاتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ معبودِ حقیقی کی معرفتِ حقیقی لئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں " **من کان باللہ اعرف کان من اللہ اخوف** " جو بھی خدا کی زیادہ معرفت رکھتا ہوگا وہی خدا سے زیادہ خوف رکھتا ہوگا۔ روایت کی گئی ہے " **قال صلی اللہ علیہ و الہ کان یصلی و قلبہ کالمرجل من خشیۃ اللہ تعالی** " یہ ہمارے رسولؐ کے خوف کا عالم تھا۔ آنحضرتؐ کے وصیؑ کی

عبادت کا حال سُن چکے ہیں۔ حضرتؑ جب بھی نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے "تغیر لونه" رنگ متغیر ہو جاتا تھا، اعضاو جوارح خوفِ خدا سے لرزنے لگ جاتے تھے۔ کتاب جامع الاخبار میں حضرتؑ اپنے فرزند کو نصیحت فرماتے ہیں۔ "یا بنی خف الله خو فاتری انک لو اتیته بحسنا ت اهل الارض لم یقبلها منک و ارج الله رجاء انک لو اتیته بسئیات اهل الارض غفر ها لک" اے بیٹے اللہ سے ایسا خوف رکھو گویا آپ اُسے دیکھ رہے ہیں اگر اتنی زیادہ نیکیاں انجام دیں جتنی اہل ارض نے انجام دیں چاہے وہ آپ سے قبول نہ کرے اور اللہ سے ایسی اُمید رکھو کہ اگر آپ اہل ارض جتنے گناہ انجام دو تو خدا آپ کو معاف کر دے۔ حضرتؑ کی ایک طرف اسقدر تاکید ہے لیکن ساتھ لاتقنطوامن رحمة الله کی تعلیم بھی ہو رہی ہے مذکور ہے حضرتؑ سے ایک روز سلمان نے دریافت کیا "۔ کیف اصبحت یا امیر المومنین .قال کیف یصبح من کان الموت غا یته و القبر منزله و الدیدان جوار ه و ان لم یغفر له فا لنا رمسکنه" یعنی حضرتؑ فرماتے ہیں کہ اے سلمان کیونکر وہ شخص صُبح کرتا ہے کہ موت تو اُس کی غایت ہو۔ منزل اُس کی قبر ہو کیڑے اُس کی قبر میں پڑوسی ہوں اگر بخشا نہ گیا تو مسکن اُسکا نار ہو۔ اب ذرا ان کے حقیقی تبع اور شیعہ کے خوف کی حالت سنئے کہ کس قدر اُن کے قلب میں خوف خدا بیٹھ چکا تھا ایک دن حذیفہ یمانی سے کہا گیا "کیف اصبحت .قال کیف یصبح من کان اسمه عبداً و یدفن غداًفی القبر وحدا و یحشر بین یدی الله فرداً" ترجمہ! اُس کی صبح کیسی ہوگی جس کا نام بندہ ہے اور عنقریب قبر میں تنہا دفن ہوگا اور روزِ محشر اللہ کے حضور تنہا پیش ہوگا۔ ہم نے اپنے آپ کو شیعہ کہلا کر دوسرے شیعوں کو بدنام کر ڈالا۔ یہ لوگ تھے حقیقت میں متبعینِ آئمہ ھدیٰ۔ اس امام مظلومؑ کربلا کی سیرت کو دیکھیے جس کی وجہ سے ہم محبِ حُسینؑ کہلاتے ہیں کہ وہ نماز و روزے کے کس قدر پابند تھے۔ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں رمضان المبارک کے چاند میں شبہ پڑ گیا اصحاب خدمت رسالتمابؐ میں حاضر ہوئے چاند کے متعلق دریافت کیا تو حضرتؐ اُن لوگوں کو لیکر خانہ اقدس زہراؑ پر تشریف لائے۔ حضرتؐ اندر جا کر

حضرت زہراؑ سے استفسار فرمایا۔ سیدۂ عالم عرض گذارتی ہیں "بابا مجھے معلوم نہیں لیکن آج صبح ہوئی تو میرے لختِ جگر و نورِ عین شہزادہ حُسینؑ نے دودھ پینا ترک کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے ماہ رمضان کا چاند ہو گیا ہے۔ یہ حضرتؑ کے بچپن کے روزے کا عالم تھا۔ اور خوفِ خدا دل میں اسقدر تھا کہ ان سے پوچھا گیا "کیف اصبحت یا بن رسول الله . قال اصبحتُ ولی رب فوقی و النارُ اَمَامِیْ و الموت یطلبنی و الحساب محدق بي وانا مرتهن بعملي ولا اجدما احب ولا ادفع ما اكره والامور بيد غيرى فان شاء عذبنی و ان شاء عفا عنی فای فقیر افقر منی" اے فرزندِ رسولِ پاکؐ! آپؑ نے کیسے صبح کی، فرمایا میں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ میرا رب میرے اُوپر نگران ہے اور آگ میرے رُوبرو ہے، موت میری تلاش میں ہے، حساب میری گھات میں ہے، میں اپنے اعمال کا گروی ہوں، جو چاہتا ہوں اُسے پا نہیں سکتا، جسے ناپسند کرتا ہوں اُسے دفع نہیں کر سکتا، میرے تمام اعمال غیر کے اختیار میں ہیں، پس اگر وہ چاہے تو مجھے عذاب دے، اور اگر چاہے تو مجھے معاف کر دے، پس مجھ سے بڑا فقیر کون ہو سکتا ہے۔

مظلومِ کربلا کی رغبتِ عبادت دیکھنا ہو تو دسویں محرم کی شب کی طرف نظر اُٹھائیے۔ کہ خیامِ حسینی سے یوں تسبیح و تحلیل کی صدا بلند ہو رہی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ آپ کے والد حضرت علیؑ حیدر کرار نے اگر جنگِ حنین میں تیروں کی بوچھاڑ میں نماز ادا کی تو مظلومِ کربلا نے نمازِ ظہر تلواروں کے سایہ میں ادا کی اور بندگیِ حق کا یہ انداز اطاعت گزاروں کو ہمیشہ ادائیگیِ نماز کیلئے آمادگی کا سامان مہیا کرتا رہیگا۔

ہجرت و جہاد

والذین آمنوا و ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولئک ھم المومنون حقاً لھم مغفرۃ و رزق کریم .(سورۃ انفال آیت ۷۴)

ترجمہ: وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جن لوگوں نے ایسے نازک وقت میں مہاجرین کو جگہ دی اور انکی ہر طرح خبر گیری کی یہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے واسطے مغفرت اور عزت و آبرو والا رزق ہے۔

وہ وقت کہ جب دنیا محو غفلت تھی۔ باطل پرستی کا دور دورہ تھا۔ دامن حق چھوٹ چکا تھا۔ تاریکی و ضلالت نگاہوں سے تجاوز کر کے دلوں میں اتر چکی تھی۔ زمین عرب کا ذرہ ذرہ کفر کا آئینہ معلوم ہوتا تھا اور دنیا کی ہر شے بدعتوں کی رہبر دکھائی دیتی تھی وحدت حق چھوٹنے کا انجام کثرت پرستی تھا۔ مگر نگاہ مرکز اصلی سے ہٹنے کے بعد کسی جگہ رکتی نہ تھی اور قدم لغزش کھانے کے بعد کسی منزل پر ٹکتا نہ تھا دنیا کی ہر دلفریب صورت کی طرف جبین نیاز جھک رہی تھی زمانہ کی ہر کرشمہ سازی دامن دل کو کھینچ رہی تھی دماغ انسانی خارستان دنیا میں الجھا ہوا تھا اور قلب بشری ظلمتکدہ دہر میں ٹھوکریں کھا رہا تھا کسی کو پانی کی موجوں میں تصویر اُفق الوہیت نظر آنے لگی کوئی سر سبز درخت میں رنگ خدائی دیکھنے لگا۔ کسی نے تراشے ہوئے پتھروں میں قدرت کا حلول سمجھ لیا بہر حال ایک خدا کو چھوڑنے والے سینکڑوں خداؤں کی الجھن میں پڑ گئے اور ایک بر حق سے کنارہ کشی کرنے والے ہزاروں جگہ باطل کے سامنے دست بستہ نظر آنے لگے اور اصلی معبود یکتا کی ڈیوڑھی کی جبیں سائی کرنیوالے لاکھوں خود ساختہ معبودوں کے سامنے سربسجود ہوئے۔ سزا ہے حق چھوڑنے والوں کی جب اور جس عہد میں جس نے بھی حق چھوڑا ایک کے بجائے بہتوں کے سامنے گردن جھکائی مگر مقصد حاصل نہ ہوا ایک معبود چھوڑنے والوں نے خدا جانے کتنوں کی عبادت کی مگر عبادت سے

دور ہی رہے۔ ایک خدا سے کنارہ کشی کرنے والوں نے خدا جانے کتنوں کو خدا مانا مگر خدا نہ ملا۔
ایک اصلی نبی چھوڑنے والوں نے خدا جانے کتنے ہی نبی بنا ڈالے مگر فائدۂ نبوت سے محروم رہے
ایک امامِ حق سے روگردانی کرنے والے خدا جانے کتنوں کے پیچھے چلے گئے مگر راہِ حق نہ مل سکی
جب آگے چلنے والا خود منزل سے بھٹکا ہوا ہو۔ تو پیچھے چلنے والوں کو منزل تک کیوں کر پہنچا سکتا ہے
اور جب مقتدا کو مرکز حق نہ معلوم ہو تو پیروی کرنے والے حق کو کیوں کر پا سکتے ہیں اور جب امام کی
حد آخر خود جہنم ہو تو ماموم سے جنت قریب نہیں ہوسکتی اسی کو قرآن پکار پکار کے کہہ رہا ہے۔ دنیا میں
امام دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ وہ ہیں جو خود جنتی ہیں۔ اپنی پیروی کرنے والوں کو جنت میں لے
جاتے ہیں اور کچھ وہ ناری امام ہیں۔ جو اپنے پیچھے چلنے والوں کو جہنم کا راستہ دکھایا کرتے ہیں
مبارک باد اُن لوگوں کو جو کبھی ناری امام کے پیچھے نہ چلے بلکہ ماموم بنے تو اُس امام کے جسکو اپنے تو
اپنے غیر **قسیم النار و الجنۃ** کہتے ہیں

بہر صورت ظلمتکدہ دہر کی تاریکی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ نیک و بد کی تمیز فنا، خیر و شر کا
فرق معدوم ہو چکا تھا کوئی برائی برائی نہ رہی کوئی نیکی نیکی نہ رہی بلکہ نیکیاں قابل مذمت اور
برائیاں قابل فخر بن گئیں تھی بالخصوص خطہ عرب جہاں کے رہنے والے کفر و نفاق میں بہ نسبت
دوسرے ممالک کے شدید تر تھے کسی نفس محترم کو قتل کر دینا جرم نہ تھا کسی کا مال چھین لینا کوئی عیب نہ
تھا کسی کے باغ پر زبردستی قبضہ کر لینا فخر اور کسی کے حقوق پر ناجائز تصرف پر خوش ہوتے تھے۔ نہ قتل
مظلوم دل پر اثر پذیر ہوتا تھا اور نہ غصب کرنا کوئی شرمناک فعل سمجھا جاتا تھا۔ بھلا اہل عرب کی یہ
پرانی عادتیں دو، چار سال میں دور ہو سکتی تھیں؟ قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور غصب و ظلم کا دور دورہ
تھا ز نا پر فخر و مباہات کرنے لگے۔ کثرت پرستی کا چرچا ہو گیا دنیا میں تاریکی یوں پھیلی کہ کہیں روشنی کا
نام نہ رہا بالخصوص خطہ عرب میں باطل پرستی کی سیاہی یوں چھائی کہ کوئی ذرۂ حق نما باقی نہ رہا۔
کہیں کہیں ایک دو ذرۂ حق نما تھے بھی تو وہ چراغ تہ دامن بنے ہوئے تھے۔ جنکا نور پردہ دل سے
آگے نہیں بڑھتا تھا جب ظلمت اس حد تک پہنچ گئی تو قدرت نے کارسازی کرنے کیلئے عالم کو از سر نو

منور بنانے کیلئے ایک بارنظر دوڑائی۔ کہ یوں تو تاریکی ہر جگہ ہے مگر جہاں سب سے زائد ظلمت ہو وہاں میں اپنا قوی سے قوی نور جسکے تنہا نور سے سارا زمانہ جگمگا اُٹھے بھیج دوں۔ آخر تمام دنیا میں خطہ عرب اور عرب میں حجاز اور سرزمین حجاز میں ارض بطحی کا انتخاب ہوا۔ بطحی پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ چونکہ مکہ کی زمین میں پتھر زیادہ پائے جاتے تھے اس لئے وہاں بت پرستی کی زیادتی اور بتوں کی کثرت تھی اس لئے کعبہ کا انتخاب ہوا کعبہ میں اگر یہ نور کسی نشیب میں ہوتا تو دور تک نگاہوں کو فیض نہ پہنچ سکتا اسی لئے فاران کا انتخاب ہوا بشارتوں اور پیش گوئیوں نے اس نور مجسم کی اطلاع پہلے سے دیدی تھی۔ اہل مکہ وقتِ آمد سے واقف ہی تھے جس قدر وقت قریب آتا جاتا تھا اُسی قدر نگاہیں فاران کی چوٹی کی طرف جلد جلد اُٹھ رہی تھی کہ یکا یک آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے رھبانیین آنکھیں ملتے ہوئے خواب کی تعبیر تلاش کررہے تھے۔ عباد کنیسہ لرزتے ہوئے ارکان دیکھ رہے تھے۔ آسمان سے رحمتوں کی بارش ہورہی تھی ملائکہ صف درصف زمین پر اتر رہے تھے۔ کعبہ سجدہ شکر کیلئے سربسجود ہوا۔ اصنامِ حرم نورِ ایمان سے مرعوب ہوکر منہ کے بل گرنا شروع ہوئے بادشاہوں کے تخت الٹے جادوگروں کے جادو بے کار ہوئے ستارے ٹوٹنا شروع ہوئے شیطان آسمان سے محروم ہوا طاقِ کسریٰ شق ہوا قصر کے چودہ کنگرے گرے آتشِ فارس کو نور کی بوچھاڑ نے گل کیا حجاز کی طرف سے نور پھیلا کوثر موجیں مارنے لگا طوبیٰ جھومنے لگا حوروں نے رخساروں پر غازہ ملا۔ زمین مکہ چمک اٹھی فاران بقعہِ نور بن گیا۔

خدا کا نبی آخر اشھد ان لاالہ الا اللہ کہتا ہوا آغوشِ آمنہؑ کی زینت بن گیا اور اس شان سے آیا کہ مغرور سلاطین کے تکبر کے عمارتیں ڈھاتا ہوا خود کفار عرب کے سکوت کو توڑتا ہوا مشہور بہادرانِ قریش کے دلوں کو ہلاتا ہوا کفر کی گہری تاریکی میں ایمان کے چراغ جلاتا ہوا جن و انس سے کلمہ پڑھواتا ہوا بتانِ کعبہ سے سجدہ کراتا ہوا آیا۔ ملائکہ فلک سے اتر کر بتا رہے تھے کہ ہم نے آدمؑ کا سجدہ انہی کی وجہ سے کیا تھا کعبہ جھک کر بتا رہا تھا کہ میری بنا انہیں کیلئے ہوئی بادشاہوں کے تخت الٹ کر بتا رہے تھے کہ دین و دنیا کی حکومت انہی کیلئے ہے جادو بے کار ہو کے بتا رہے تھے

کہ یہی صاحب معجزہ ہیں ستارے ٹوٹ کر بتارہے تھے کہ آسمان وزمین پر ان کی حکومت یکساں ہے۔آتشِ فارس گل ہو کر بتارہی تھی کہ جنت میں لے جانے والا یہی ہے۔طاقِ کسریٰ شق ہو کر بتارہاتھا کہ کفر کا سینہ چاق کرنے والا یہی ہے۔نور کا پھیلنا بتارہا تھا کہ شرق وغرب عالم میں اسلام پھیلانے والا یہی ہے بتوں کا کعبے میں گرنا بتارہا تھا کہ کعبہ پاک کرنے والا یہی ہے۔شیطان کا اضطراب بتارہا تھا کہ خدا پرستی سکھانے والا یہی ہے۔قصر کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا بتارہا تھا کہ نور مفرد نہیں ہے۔ بلکہ چودہ شعاعوں کا مجموعہ ہے

جناب آمنہؑ ناقل ہیں کہ رسالت مآبؐ بصورت حمل میرے حمل میں تھے کہ میری پیشانی سے ایک نور ساطع ہوتا تھا۔کہ اس کی روشنی میں شب کو سوئی تلاش کی جاسکتی تھی۔ جب آپؐ پیدا ہو چکے تو وہ نور محو ہو گیا۔لیکن جہاں آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے تھے وہیں نور چمکتا تھا چنانچہ ام الامومنینؓ فرماتی ہیں کہ جب میری سوئی شب کو کہیں کھو جاتی تو میں انتظار کرتی اور جب حضرتؐ تشریف لاتے تھے تو آپ کے نور سے تلاش کرلیتی تھیں۔افسوس انسان! جس کے نور کی روشنی میں شب کو سوئی تلاش کی جاسکتی ہو اس کے جلوے میں رہ کر اس کے وطن میں بود وباش ہونے پر اس کے پاس بیٹھ کر دن کو ایمان تلاش نہ کرسکے۔

عزتِ ابد ورمحِ اکبر

وہبؒ ناقل ہے کہ جب حضرتؐ پیدا ہوئے تو کعبہ کے بت منہ کے بل گر پڑے اور ایک آواز کعبہ سے پیدا ہوئی جسے تمام اہل مکہ نے سنا۔**جاء کم النذیر ومعه العز الابد والرمح الاکبر وھو خاتم الانبیاء** خود تو حضرتؐ خاتم الانبیاء تھے لیکن ساتھ دو چیزیں لائے، ایک عزت ابدی اور دوسری رمح اکبر پیغمبرؐ کو دنیا میں انہی دو چیزوں کی ضرورت تھی۔رمح اکبر اس لیے کہ قلعے فتح کیے جاسکیں،عزت ابدی اس لیے کہ دنیا والوں کے دل فتح کیے جاسکیں۔پیغمبر بھی دونوں چیزیں لے کر دنیا میں آئے آخر ملک کے ساتھ دلوں کے حکمران بھی بن گئے۔عزت ابدی کیا چیز ہے؟ اور رمح اکبر کیا چیز ہے؟ آپ خود تلاش کریں کہ پیغمبر کے ساتھ

عزت ابد کون سی چیز ہے اگر یہ کہیے کہ وہ معجزات تھے جو خدا کی طرف سے ان کو عطا ہوئے تھے۔تو پیغمبر نے ان معجزات کو سببِ عزت نہیں سمجھا۔اور اگر یہ کہیے کہ وہ القاب تھے جو نبی و رسول، یٰسین وطٰہٰ آپکو عطاء ہوئے تو ہمارا نبی کبھی کسی لقب پر خوش نہیں ہوا۔عزت ابد تو پیغمبر کے ساتھ وہی چیز ہوگی جس کی پیغمبر خود ہی عزت کرتا ہو جس کو آتا ہوا دیکھ کر استقبال کرتا ہو۔جس کے آنے سے پہلے تعظیم کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہو۔آپ کو دنیا میں ایسی ذات کوئی ملے گی جس کی تعظیم جس کا اکرام کھڑے ہو کر خود رسالت مآب کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ساتھ عزت ابد اگر کوئی تھا تو وہ فاطمہؑ۔اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے ہر باپ کی عزت اپنی لائق بیٹی سے ہوتی ہے عہد نبوت میں خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا نبیؐ کے گھر میں اگر عورتوں میں کوئی عزت ابد رسول کیلئے بننے کے قابل تھی تو صرف فاطمۃ الزہرا کی ذات تھی جنھوں نے اپنی تمام حیات اس عزت کے ساتھ گزاری کہ دنیا میں یوں کسی باپ کی بیٹی نے نہ گزاری ہوگی۔از ابتداء عمر تا آخر کبھی رسولؐ سے ضد کی نہ اذیت پہنچائی۔نہ نبی کے گھر میں شور وشغب برپا کیا نہ لڑیں نہ روٹھی نہ فاقوں کی شکایت کی نہ کام کرنے کا گلہ کیا نہ مالِ دنیا کی تمنا کی نہ دولت کی آرزو کی نہ باپ کے گھر کسی کو تکلیف دی نہ شوہر سے بے جا فرمائش کی نہ ہی خدا کے گھر میں بتوں کو سجدہ کیا۔نہ ہی نبیؐ کے گھر میں گڑیاں کھیلیں۔بلکہ حکم الٰہی کے مطابق فرمان نبویؐ کے موافق ساری زندگی گزار دی اور یوں گزاری کہ نبی کو کہنا پڑا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی کا کوئی کفو نہ ہوتا۔رسولؐ یوں راضی ہوئے کہ انہوں نے فاطمہؑ کی اذیت کو اپنی اذیت اور فاطمہؑ کی راحت کو اپنی راحت قرار دیا اور خدا اتنا خوش ہوا کہ اپنا عہدہ امامت تا قیامت نسل فاطمہؑ میں قرار دیا۔عزت ابد پیغمبر کی بیٹی کو ملی۔دوسری چیز جو نبیؐ کے ساتھ تھی وہ رمح اکبر ہے رمح اکبر کے معنی اگرچہ بڑے نیزے کے ہیں مگر اہل عرب اس شخص کو جو نیزہ بازی میں کمال رکھتا تھا اسے نیزہ کہہ دیتے تھے اور اسی طرح تلوار کے دھنی کو تلوار ہی کہتے تھے چنانچہ متنبّی شاعر نے سیف الدولہ کی تعریف میں کہا **ان یک بعض الناس سیفاً الدولہ** متنبّی اپنے ممدوح کو دولت کی تلوار کہتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح یاب یا کامیاب جنگ

کرنے والے کولوگ تلوار کہتے تھے۔ جس طرح مدد کرنے والے کی امداد جب حد سے زائد بڑھ جاتی تھی تو اسے مدد کہہ دیتے تھے یا زیادہ شجاع کو شجاعت کہنے لگتے تھے۔ پھر رمح اکبر وہی ہوسکتا ہے جو مدد بنا ہو جو تلوار کہلوایا ہو جنگ احد میں ملک نے پکار کر کہا تھا کہ (ناد علیاً مظهرا لعجائب تجده عوناً لک فی النوائب) اسی طرح سیف اللہ (اللہ کی تلوار) آپؑ کا مشہور لقب تھا تو پیغمبرؐ کے ساتھ رمح اکبر آپؑ ہونگے۔ یہ ظاہر ہے کہ رمح اکبر کسی ایسے شخص کا لقب تو ہونہیں سکتا جو جھجھکا ہو۔ ڈرا ہو یا خوفزدہ ہوا ہو، چلایا ہو بھاگا ہو۔ رمح اکبر اس کا لقب ہوسکتا ہے جس نے ہر میدان میں اپنے قدم جما کر دکھائے ہوں کہ بنیان مرصوص اسے کہتے ہیں جس نے مرحب کا سر کاٹ کر بتایا ہو کہ شیطان پرستوں کو یوں دنیا سے مٹایا جاتا ہے جس نے خیبر کا در اکھاڑ کے دکھایا ہو کہ اسلام کا در اتنا مضبوط ہونا چاہیے۔ جس نے عمرو بن عبدود کا سر کاٹ کے سمجھا دیا ہو کہ ایمان کی طاقت یہ ہے۔ صفین کی جنگ میں ہاتھ روک کر بتایا ہو کہ غیرت اس کا نام ہے۔ جمل میں اپنے مخالف فریق کو بحفاظت مدینہ پہنچا کر بتایا ہو کہ حمیت اس کا نام ہے۔ جس نے رسولؐ پر اپنے کو ہر مقام پر صدقہ کر کے بتایا ہو کہ فدائی رسالت اسے کہتے ہیں۔ بعد رسولؐ تلوار میان میں رکھ کر سمجھایا ہو کہ اطاعت نبی اس کا نام ہے۔ چونکہ پیغمبر دنیا میں اس لیے آیا تھا کہ اہل دنیا جو قعر ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو کھینچ کر خدا کے راستے پر لگا دے۔ اور دنیا والے دو قسموں پر منقسم ہیں کچھ باعزت نفس والے جو دوسروں کو دیکھ کر سیکھتے ہیں، کچھ وہ سرکش ہوتے ہیں جو مار کھائے بغیر سیدھے نہیں ہوتے۔ اس لیے پیغمبر دو چیزیں لے کر آئے ایک عزت ابد۔ تاکہ اہل عزت کیلئے میری عزت داعی بنے دوسرے رمح اکبر تاکہ سرکش گروہ کے دلوں کو یہ نیزہ گرما دے۔

پیغمبرؐ جب دو چیزیں لے کر آئے تو دو چیزیں چھوڑ کر بھی جانا چاہیے تاکہ ابتداء وانتہا میں مناسبت پیدا ہو جائے۔ اس لیے آخرِ وقت فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی جب رسالت مآبؐ پیدا ہوئے تو سجدے میں سر رکھا ادھر رسولؐ نے سجدے میں سر رکھا

ادھر اصنام کعبہ منہ کے بل زمین پر گرنے لگے۔ پیدا ہونے والے تیری شان ابھی سے بتا رہی ہے
کہ بت پرستو دیکھ لو جس نے پیدا ہوتے ہی تمھارے خداؤں سے اپنے خدا کا سجدہ کرا لیا وہ بڑا
ہو کر تم سے خدا وحدہٗ لاشریک کا سجدہ کرا کے چھوڑے گا جب آپ سجدے سے فارغ ہوئے تو
جناب آمنہؑ فرماتی ہیں کہ ایک ابر کے سائے میں آپؐ غائب ہو گئے اور تین دن تک غائب رہے
اسلامی فرقوں کی تمام تاریخوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ رسولؐ خدا پیدا ہوتے ہی غائب ہوئے
اور تین دن تک غائب رہے۔ اس کے بعد حلیمہ جب آپ کو لے کر واپس ہوئیں اور ایک درخت
کے نیچے قریب کعبہ آپ کو بٹھا کر کپڑے درست کرنے لگی تو تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپؐ اسی جگہ
سے غائب ہو گئے۔ اس کے بعد جب کعبہ سے مدینے ہجرت کرنے کا وقت آیا تو پھر تین دن تک
غار میں غائب رہے۔ یہ موقع بہ موقع غیبت رسولؐ میں خدا جانے کیا مصلحت رکھی تھی؟ لیکن اتنا
میں جانتا ہوں کہ جس کی ابتداء رسول غائب سے ہو اس کی انتہا میں غیبت ہونا چاہیے تاکہ
آخر کو اول سے مناسبت پیدا ہو جائے اور دنیا والے دیکھیں کہ جس کی ابتداء غیبت سے ہوئی اس
کی انتہا اگر امام غائب پر ہو تو امت محمدی غیبت پر مضحکہ نہ اڑا سکے کیونکہ نبیؐ کیلئے غیبت عیب نہیں تو
اس کے آخری قائم المقام امام کیلئے غیبت کیسے عیب بن سکتی ہے۔ بہرصورت جب آپ پیدا ہوئے
تو آسمان سے ایک آواز آئی **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً** دنیا تمام
روشن ہو گئی اور معلوم ہوتا تھا کہ ہر پتھر، زمین کا ڈھیلہ دنیا کا ہر درخت ہنس رہا ہے اور جھوم جھوم کر
تسبیح و تقدیس الٰہی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ہے کہ اس کے بعد شیطان نے رو رو کر کہنا
شروع کیا **خیر الامم و خیر الخلق و اکرم العبید و اعظم العالم محمدؐ** شیطان بھی محمدؐ
کے پیدا ہوتے ہی پہچان گیا کہ تمام دنیا سے افضل و برتر و بہتر بزرگ محمدؐ ہی ہیں۔ شیطان تو بچپن
میں ہی صورت دیکھ کر اتنا پہچان جائے۔ تف اے انسان تجھ پر کہ جب رسولؐ کو رسالت مل چکی ہو،
سن رسیدہ ہو چکا ہو پھر تو مدتوں سے اسے دیکھ رہا ہو لڑائی اور صلح میں اس کے ساتھ ہو، اس پر بھی
تیرے دل میں نبیؐ کی طرف سے شک باقی ہو۔ لیکن جہاں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی وہاں ایسے

لوگ بھی موجود تھے جو معجزات دیکھ کر پیغمبرؐ پر ایمان لائے۔ مگر جب سے ایمان لائے اس وقت سے شک نہ ہوا۔ کچھ وہ تھے جنہوں نے نبیؐ کی صرف دہنِ اقدس کے کلمات سنکر بت پرستی چھوڑ دی مگر جب سے صنم پرستی چھوٹی تو پھر یوں چھوٹی کہ پھر خالص خدا پرستی میں ساری عمر گزر گئی نہ کبھی کفر کی یاد تازہ ہوئی نہ پتھر کی حسین مورت ان کے دلوں کو کھینچ سکی نہ بتوں کو آستینوں میں رکھ کر سجدہ کیا۔ کچھ ایسے بلند پایہ لوگ بھی تھے جو صرف نبیؐ کا انداز معاشرت دیکھ کر دلدادہ ہو گئے۔ اور اسی شمع رسالتؐ کے پروانہ ہو گئے۔ کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے صرف ایک بار گفتگو کی اور کچھ کلام رسالتؐ کا ایسا اثر ہوا کہ کفر کی کثیف چادر اتار کے اسلام کی نورانی عبا زیب تن کر لی۔

انبیاء پر فضیلتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

چنانچہ چالیس یہودی خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے! نعوذ باللہ اے کاہن و کذاب ہم نے سنا ہے کہ تم دعوئ رسالت کرتے ہو۔ حالانکہ آدمؑ و نوحؑ اور جتنے نبی تجھ سے پہلے گذرے ہیں سب تم سے بہتر ہیں۔ جناب رسالتؐ مآب عبداللہ بن سلام کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور فرمایا اے عبداللہ توراۃ میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ چونکہ یہودی توراۃ کو مانتے تھے۔ اسلئے آپ نے اسی کو درمیان میں رکھا۔ اس پر تمام یہودی راضی ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ آدمؑ میں کیا فضیلت تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ نبیؑ تھے آپؐ نے فرمایا کہ دیکھ اسی توراۃ میں لکھا ہے کہ ایک منادی محمدؐ کیلئے درمیان آسمان و زمین پانچ بار ندا دیگا۔ کہ **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ** تو آدمؑ نبی تھے اور میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ کیا رسولؐ نبی سے افضل نہیں ہوتا؟ اور اے عبداللہ کیا تم نے پڑھا نہیں ہے۔ کہ قیامت کے دن لواءِ حمد ہوگا؟ یہودیوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ **صدقت یا محمد وھو مکتوب فی التورۃ**۔ اسکے بعد عبداللہ نے کہا کہ اچھا موسیٰؑ تو آپ سے بہتر تھے۔ کہ جن سے خدا نے باتیں کیں اور آپ سے باتیں خدا نے کبھی نہیں کیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتھیٰ کو طے کرتا ہوا جنت ماوی سے گزرتا ہوا جب ساق عرش تک پہنچا

تو آواز آئی کہ انی انا اللہ لا الہ الا انا السلیم المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر الروف الرحیم۔ اس وقت میں نے جاہ وجلال وعظمت باری کو چشم ظاہری سے نہیں بلکہ نگاہ قلب سے دیکھا۔ تمام یہودیوں نے تصدیق کی صدقت یا محمد وھو مکتوب فی التوراتہ۔ یہودیوں نے عرض کی یہ بتایئے کہ نوحؑ پر آپؐ کو کیونکر فضیلت حاصل ہے حالانکہ قدرت نے انکے سفینہ کو کوہ جودی عطا کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ قدرت نے انکے سفینہ کو پانی پر جاری کر کے کوہ جودی پر روکا۔ مگر میرا نوحؑ سے بہتر مرتبہ تم نے تورات میں نہیں دیکھا۔ کہ میںؐ مالکِ حوض کوثر ہوں۔ یہودیوں نے کہا کہ اچھا ابراہیمؑ تو آپؐ سے بہتر ہیں۔ جنہیں خدا نے اپنا خلیل بنایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر خلیل سے حبیب ہونا بہتر ہے۔ ابراہیمؑ خدا کے خلیل تھے اور میںؐ خدا کا حبیب ہوں۔ یہودیوں نے کہا اچھا سلیمانؑ تو آپ سے بہتر ہے کہ جنکو خدا نے تخت ہوا پر اڑنے والا عطا کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں ہاں سلیمان کو تخت ملا تھا جو ہوا پر اڑتا تھا اور مجھے تو وہ براق مرحمت ہوا جس نے زمین سے منزل قاب قوسین پر پہنچایا۔ یہ سننا تھا کہ یہودیوں نے باآواز بلند کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک لرسول اللہ بہرحال یہ وہ لوگ تھے جو تھوڑی دیر گفتگو کی مگر کچھ وہ لوگ تھے جو صرف انداز ورفتار دیکھ کے سمجھ لیتے تھے۔ کہ یہ خدا کے فرستادہ نبیؐ ہیں کچھ وہ ذکی الحس لوگ تھے کہ صورت دیکھتے ہی اس شمع رسالت کے پروانہ بن جاتے تھے۔ مگر دنیا میں اگر تلاش کیجئے تو ایسے نہ ملیں گے جو پیدا ہوتے ہی نور رسالتؐ سے رسول کو پہچان لیتے ہوں، سوائے مولودِ حرم کے جو آغوش رسالت میں آتے ہی آنکھ کھول کے پہچان کر پکار اٹھا یا رسول اللہ سلام علیک۔

ہجرت

بہرصورت پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے ایمان لاتے گئے۔ لیکن جب کفار مکہ نے اہل ایمان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو ان لوگوں نے ہجرت کی، کبھی حبشہ کیطرف کبھی یمن کیطرف کبھی دوسرے مقامات پر کی۔ آخر بضرورت مرکز اسلام بدلنا پڑا اور گروہ اہل ایمان پیارے وطن کو

الوداع کہہ کر پیغمبرؐ کے ساتھ وارِد مدینہ ہوئے۔ مدینہ میں پہنچتے ہی قادر مطلق نے ضعیف کو قوی بنایا۔ شوکت اسلام کچھ یوں روزافزوں ہوئی کہ آخر جہاد کا فریضہ ادا ہونے لگا۔ چونکہ خدا کو معلوم تھا۔ کہ دنیا ایک دن اس ہجرت پر ناز کریگی اور اسی کو حاصل فضائل و اکمل شرف سمجھے گی اسلئے قدرت نے چاہا کہ میں واضح کردوں کہ ہجرت ہے شرف، مگر کب شرف ہے اور کن حالات میں شرف ہے۔ اگر کوئی شخص محض ہجرت کرے تو لوگو اُس نے وطن چھوڑا۔ گو اُسنے اہل قبیلہ چھوڑے اپنے مکانات چھوڑے۔ اپنی زراعتیں چھوڑیں۔ مگر ممکن ہے کہ طمع نفس میں ہجرت کی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ زندگی بچانے کیلیئے ہجرت کی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ہجرت ہجرت نہ ہو۔ بلکہ حسب عادت فرار ہو تو ایسی ہجرت باعث شرف نہیں بن سکتی بلکہ وہ ہجرت شرف ہے اور ان مہاجرین کیلیئے مغفرت ورزق کریم ہے جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے ہوں اور ہجرت کے بعد راہ خدا میں جہاد کیا ہو اسلئے کہ اگر ایمان نہیں لائے یا بظاہر ایمان لائے بھی مگر دلوں میں شک نبوتؐ کیطرف سے موجود رہا۔ تو پیغمبر کا ساتھ حقیقت میں ایسے لوگوں کا نہیں ہوسکتا۔ اگر ہے مہاجر مگر حقیقت ایمان سے بے بہرہ تو سمجھیے کہ جسدِ بے روح ہے۔ یا گلِ بے خوشبو ہے، یا صبح بلا نسیم ہے یا باغِ بے بہار ہے۔ یاد رکھیئے کہ اگر مہاجر بے ایمان ہے تو یقین کیجیو کہ وہ حاجی ہے جو بصورت انسان ہو مگر ہے حیوان، یا ایسا بادشاہ ہے جو عادل نہ ہو، یا ایسا عابد ہے جو صحیح راستہ پر عبادت نہ کرتا ہو یا ایسا نمازی ہے جو بلا وضو ہو۔ یا ایسا صائم جو بے نیت ہو یا ایسا زکوٰۃ دینے والا ہے جو اپنی شہرت کے لئے زکوٰۃ دیتا ہو یا ایسا مجاہد ہے جو بھاگنے کی نیت سے جہاد میں گیا ہو یا ایسا تاجر ہے جسکے پاس صرف کھوٹا مال ہے یا ایسا خلیفہ جو معصوم نہ ہو۔ اسلئے ہجرت میں تقدم ایمان کی شرط لگائی گئی ہے کہ حقیقتاً مہاجر وہی قابل شرف ہے جو ہجرت سے پہلے ایمان لا چکا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہجرت کے بعد جہاد کرے۔ راہ خدا میں اسوقت وہ مہاجر مہاجر کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اسلئے کہ جب مہاجر ہجرت کے بعد مہلک مقامات پر اپنے نفس کو پیش کردیگا۔ جب مصائب کو اپنا نصب العین بنائیگا۔ جب میدان جنگ کو جولانگاہ بنائے گا، جب ہر مہلکہ میں پیش پیش ہوگا، جب بھڑکی ہوئی آتش

جنگ میں کود پڑیگا۔ اُسکا عمل خود بتائیگا کہ اس نے خوف سے ہجرت نہیں کی تھی، اپنے نفس کی طمع میں ہجرت نہیں کی تھی، اپنی جان بچانے کیلیئے نہیں ہجرت کی تھی بلکہ اسکا ہر عمل منشاءِ الٰہی کے مطابق اور اسکے حکم کے موافق تھا جب اسنے حکم ہجرت سنا، ہجرت کر گئے۔ جب میدان میں لڑنے کا حکم ملا سر بکف ہو گئے۔ صلح و جہاد دونوں حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ خدا کی درگاہ میں ایسے مہاجرین کی ہجرت قابلِ قبول نہیں ہے جنہوں نے میدان جنگ کا رخ نہ کیا ہو۔ اور اگر پیغمبر نے کہا بھی ہو کہ اسکے مقابلہ میں کون جائیگا۔ تو وہ مایوس کن جواب دیا ہو کہ ہمت کرنے والوں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں۔ اگر بہ مجبوری میدان میں قدم رکھا ہو تو یا موقع پا کر بھاگ آئے یا بے لڑے علم لیکر واپس آئے ہوں۔ ایسے لوگ مہاجرین نہ کہلائینگے کیونکہ انکا عمل خود دلیل ہے کہ انہوں نے ہجرت محض اپنی جان بچانے کیلیئے کی تھی خدا کا حکم سمجھ کر ہجرت نہیں کی تھی۔ پھر ایسے مہاجرین خدا کے نزدیک نہ قابل مغفرت ہیں، نہ قابل رزق کریم ہیں۔

امام رازی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ رزق کریم سے مراد نعمات آخرت وثواب ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن مہاجرین نے جہاد نہیں کیا وہ خود قابل بخشش نہیں ہیں تو پھر دوسروں کو کیا بخشوائیں گے اور خود جنت جانے کے اہل نہ بن سکے تو دوسروں کو کیا جنت میں لیجائینگے۔ جنت لے جانے والا وہی ہوسکتا ہے۔ کہ وہ ہجرت سے پہلے پیغمبرؐ پر صدق دل سے ایمان لایا ہو اور ہجرت کے بعد ہر محل پر جہاد میں سب سے آگے ہو جس نے عمرو بن عبدود کا سر کاٹا ہو، احد کا میدان تنہا فتح کیا ہو، خیبر کا در اکھاڑا ہو، مرحب کو ایک وار میں دو ٹکڑے کیا ہو۔

مومنین کی قسمیں

امام رازی تفسیر کبیر میں جلد چہارم صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ مصر میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ عہدِ رسولؐ میں چار قسم کے مومن تھے کیونکہ پیغمبرؐ نے مکہ میں اظہار نبوت کر کے لوگوں کو دین الٰہی کی طرف دعوت دی۔ اس کے بعد مدینہ کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس وقت مومنین کی دو قسمیں ہو گئیں۔ کچھ وہ تھے۔ جنہوں نے حکم رسولؐ پر سر تسلیم خم کر دیا۔ اور آپؐ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ

لوگ جنہوں نے ہجرت کی وہ مہاجرین مومنین ہیں۔ یہ پہلی قسم ہے جس کو انہوں نے اشرف مومنین شمار کیا ہے۔ دوسری قسم یعنی جن لوگوں نے بحکمِ پیغمبرؐ ہجرت نہیں کی۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کچھ وہ ہیں جنہوں نے بعد میں ہجرت کی ان کے متعلق قرآن میں تذکرہ ہے۔ (والذین امنوا من بعد وھاجروا و جاھدوا معکم)۔ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا۔ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ یہ دوسرے مرتبہ کے مومنین ہیں۔ جن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ (والذین اتبعو ھم با حسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ)۔ تیسرے وہ مومنین ہیں جن کو ہجرت کا کوئی موقع ہی نہ ملا۔ یعنی رسولؐ کو مدینہ میں آنے کے بعد ملے۔ ان کو انصار کہتے ہیں۔ چوتھے وہ گروہِ مومنین ہیں۔ کہ جنہوں نے ہجرت تو نہیں کی مگر اسلام پر قائم رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ایسے لوگ جن سے پیغمبر نے کہا ہو کہ ہجرت کرو اور وہ ہجرت نہ کریں۔ ان کا شمار مومنین میں کیسے رہ سکتا ہے۔ اگر امام رازی کے یہاں ایمان ایسا سستا ہو کہ باوجود مخالفت کے بھی وہ ایمان پر باقی رہ سکتے ہیں۔ لیکن وہ کیا کریں؟ اگر ہماری طرح اتباعِ خدا اور رسولؐ کا نام ایمان رکھتے ہیں تو مجمع اسطرح چھٹا جاتا ہے جسطرح ہم اس کثیر مجمع سے کھرے کھوٹے چھانٹ لیتے ہیں۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے ہجرت میں رسولؐ کی موافقت نہ کی اگر ان کو مومن نہ کہیں تو پھر جن لوگوں نے جہاد میں رسولؐ کی مخالفت کی۔ جن لوگوں نے جیشِ اسامہ کے ساتھ جانے میں رسولؐ کی مخالفت کی۔ جنہوں نے طریقہ رسولؐ کو بلانے میں رسولؐ کی مخالفت کی، جنہوں نے ابوذر کو ربذہ بھیج کر رسولؐ کی مخالفت کی۔ ان سب کو مومنین کی صف سے نکالنا پڑے گا۔ اس مجبوری نے امام رازی کو مشکلوں میں ڈال دیا کہ ہجرت کے مخالفین کو مومن کہنا پڑا۔ مگر قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شی حتی یھاجروا۔ جو ایمان لائے تھے مگر ہجرت نہ کی۔ اے ایمان لانے والو تم کو ان سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔ پھر ہم تو حکمِ خدا کے خلاف ایسے لوگوں سے کوئی مطلب نہیں رکھتے۔ ہاں جو حکم خدا نے دیا ہے وَاِنِ استنصرُوا کم فی الدین فعلیکم

النصر . ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو ان کی مدد کرو۔ اس سے یہ نہ سمجھیے گا کہ وہ مومن ہو گئے بلکہ انھوں نے مدد ایسے معاملہ میں مانگی ہے جسکا تعلق دینِ الٰہی سے ہے تو اُن کی مدد کرنے کو مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ایسا حق ہے جس طرح کوئی عیسائی مسجد میں آنا چاہتا ہو اور آپ سے مدد مانگے یا کوئی کافر تعزیہ رکھنا چاہتا ہو اور آپ سے مدد مانگے تو آپ کا فرض ہے کہ اُس کی مدد کریں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر مومن کسی ایمانی معاملہ میں مدد مانگے اور ہم اُسکی مدد کریں تو اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مومن ہو گیا۔ وہ رہے گا کافر ہی، مگر ہماری مدد تو اسکے فعل کی وجہ سے ہے جو ہمارے موافق ہے۔ اِسکو غور سے سُنیے اور مطلب سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اگر کوئی مومن کسی غیر مومن کی امرِ دین میں مدد کرے تو اس سے غیر مومن کا ایمان ثابت نہیں ہوسکتا۔ جسطرح کوئی عیسائی مسجد بنوانے کیلیے مسلمانوں سے چندہ مانگے اور مسلمان چندہ اُسے دیدے۔ تو اس سے وہ عیسائی مسلمان نہ ہو جائیگا بلکہ عیسائی ہی رہے گا۔ یا کسی کافر کو تعزیہ رکھنے کے لیے مناسب تدابیر کوئی مومن بتادے تو اس سے وہ کافر مومن نہ ہو جاے گا، وہ رہے گا کافر ہی۔ ہاں چونکہ اسکا یہ فعل مستحسن اور ہمارے موافق ہے لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکی مدد کریں۔ چنانچہ امام رازی نے اس کے متعلق خود ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ **مالکم من ولایتھم من شی حتی یھاجروا** تو زبیرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یارسولؐ اللہ اگر کسی معاملہ میں یہ لوگ ہم سے مدد مانگیں تو ہم انکو مدد دیں یا نہ دیں۔ تو اُس وقت یہ آیت اُتری **ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر** ° اگر تم سے دینِ الٰہی کے بارے میں مدد مانگیں تو تمہارا فریضہ ہے کہ انکی مدد کرو۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی کاموں میں کسی کی مدد کریں تو اس مدد سے اُس کا ایمان ثابت نہ ہوگا۔ آج ہم سے دنیا کہتی ہے کہ علیؑ نے فلاں معاملہ میں فلاں کی مدد کی، فلاں کام میں فلاں کو مشورہ دیا، فلاں مقام پر فلاں کی مدد کی۔ پھر اگر وہ مومن نہ ہوتے تو امیر المومنین اُنکی مدد کیوں کرتے۔ بندہ پرور یہ سچ ہے کہ علیؑ تو مشکل کشا تھے۔ ہر دوست و دشمن کی مدد کرتے تھے۔ یہ مدد صرف اِس لیے تھی کہ وہ کام اچھا تھا، نہ کہ اِس لیے

کہ کرنے والا مومن تھا۔ آج ہندوستان میں ایسی مسجدیں اور ایسے امام بارگاہ موجود ہیں کہ جو کفار کے بنوائے ہوئے ہیں اور مسلمان بادشاہوں نے اسمیں مدد کی ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ مسجد و امام بارگاہ بنوانے میں مسلمان بادشاہ نے اُنکی مدد کی لہذا وہ مسلمان ہو گئے۔ اگر کسی اچھے کام میں علیؑ نے کسی کی مدد اِسلیے کر دی ہو کہ وہ کام اُن کا ہو اور ثواب میرا ہو، تو اِسمیں کونسا مضائقہ ہے۔ رہ گئے انصار و مہاجرین اور اولین و مہاجرین من بعد یہ دونوں طبقہ اِس قابل ہیں کہ اِنکا شمار مومنین میں کیا جائے، اِس لیے کہ جنہوں نے بعد ہجرت کے گناہ کیا تھا مگر توبہ کر لی۔ صبح کا بھولا اگر شام کو لوٹ آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔ لیکن امام رازی نے ان تینوں کو بلا کسی شرط کے مومن تسلیم کر لیا ہے۔ مگر میں تو وہی کہوں گا جو قرآن کہتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے ان تینوں کے ایمان میں شرط لگائی ہے۔ اگر وہ شرط پائی گئی تو اُن کا ایمان و ہجرت دونوں قبول۔ ورنہ نہ ایمان قبول ہے اور نہ ہی ہجرت۔

قابلِ شرف ہجرت

چنانچہ مہاجرین اولین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ **ان الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ**. جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مال کے ساتھ اور نفس کے ساتھ۔ ابھی معلوم ہوا کہ مہاجرین اولین وہی قابل شرف ہیں جنہوں نے اپنے مال و نفس دونوں کے ساتھ جہاد راہ خدا میں کیا ہو۔ اگر جہاد مال و نفس نہ کیا ہو تو پھر انکی ہجرت قابل فخر نہیں ہو سکتی۔ ایسے لوگ جنہوں نے ہجرت کے بعد ہر میدان میں اپنی جان بچائی ہو بلکہ رسول کو میدان میں تنہا دشمنوں کے درمیان چھوڑ کے خود پہاڑ پر پناہ لی ہو۔ وہ مہاجرین کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ نہ کبھی کسی کو زخم لگایا، نہ خود زخم کھایا۔ بھلا اُنکی ہجرت سے فائدہ کیا ہوا؟ مالی جہاد کی حالت کہ ایک خرمہ رسولؐ سے گفتگو کرنے سے عزیز کیا۔ ایسے لوگ اِس قابل نہیں کہ وہ مہاجرین کہلائے جاسکیں، یا اُن کی ہجرت قابلِ عزت ہو۔ ہاں ہجرت اُس کی ہجرت ہے کہ جسنے مدینہ آتے ہی جہاد کیا ہو، خود فاقہ کر کے یتیم و مسکینوں کو روٹیاں اٹھا دی ہوں تو

سورۃ دھر مدح کرتا ہوا اُترا ہو۔ اگر رکوع میں انگوٹھی دیدی ہو تو ولایت کا تاج خدا کیطرف سے آیت لیکر اُتری ہو۔ دوسرا طبقہ انصار کا ہے۔ قرآن نے وہاں بھی قید لگائی ہے۔ **والذین اووا ونصروا۔** وہ لوگ جنہوں نے رسولؐ کی ہجرت کے بعد اپنے یہاں جگہ دی اور اس کے بعد رسولؐ کی نصرت کی۔ اب انصار پیغمبرؐ کی نصرت کریں تو اسوقت وہ انصار ہونے پر فخر کر سکتے ہیں۔ اور جو نصرت نہ کریں ان کو انصار میں شمار کرنا لفظ انصار کو بے معنٰی کرتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے بعد میں ہجرت کی انکے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ **والذین امنوا من بعد وھاجروا و جاھدوا معکم۔** جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور اسوقت ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں۔

معلوم ہوا کہ یہ لوگ مہاجرین بھی اگر جہاد کریں راہِ خدا میں تو ان کی ہجرت قابلِ مدح ہے اور اگر جہاد نہ کریں تو ان کی ہجرت بیکار جائیگی۔ خلاصہ یہ کہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار، پہلے ہجرت کی ہو یا بعد میں کی ہو۔ ایمان، جہادِ نفس و مال کے ساتھ ہے تب تو وہ قابلِ مدح بن سکتے ہیں۔ اور اگر ایمان و جہاد سے الگ ہو گئے تو ایسی ہجرت عبث ہو کے رہے گی۔ اور مہاجر قرآن کی نظر میں، خدا کی نظر میں اسلام کی نظر میں قابل عزت نہیں بن سکتا۔ امام رازی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کتنا بلند مرتبہ ہو گا جس نے اپنے وطن، اپنے املاک، اپنے اقرباء اور اپنے اموال کو محض پیغمبرؐ کے ساتھ کیلیئے چھوڑ دیا۔ اسکا عمل دلیل ہے کہ ایمان کے بلند مرتبہ پر فائز ہے۔ اور نبیؐ کا سچا جانثار ہے۔ افسوس ہے کہ امام رازی نے غور نہیں کیا ورنہ خود واضح ہو جاتا کہ وطن چھوڑنے والے اکثر ہدایت سے ہی منحرف ہو گئے ہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ دیکھو کہ ہجرت کس کس نے کی بلکہ یہ دیکھو کہ ہجرت کے بعد ثابت قدم کون کون رہا۔ اگر آپ آدمؑ سے لیکر خاتم المرسلینؐ تک دیکھیں گے تو بہت سے ہجرت کرنے والے ملیں گے جنہوں نے نبیؐ کے قتل کی تدبیریں کیں۔ یا احکام کی صریحی مخالفت کی اور ایمان سے دور ہو گئے۔

فضائل علی بن ابی طالب علیہ السلام

احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں

۱) مثل علی فی ھٰذہ الامّۃ کمثل الکعبۃ النظر الیھا عبادۃ والحج الیھا فریضۃٌ (مناقب ابن مغازلی)

اس اُمت میں علیؑ کی مثال کعبہ جیسی ہے۔ کہ جس کی طرف دیکھنا عبادت اور اُس کا حج کرنا فرض ہے۔

۲) انت بمنزلۃ الکعبۃ توتی ولا تاتی فان اتاک ھٰولاء القوم فسلموک الامر فاقبل منھم وان لم یاتوک فلاتا تھم حتی یاتوک (اسد الغابہ ارحج الطالب عبید اللہ امر تسری.

اے علیؑ! تو کعبہ کی مانند ہے جس کے پاس جایا جاتا ہے، وہ کسی کے پاس نہیں آتا، اگر یہ لوگ تیرے پاس آئیں اور امر (خلافت) تیرے سپرد کریں تو قبول کر لینا اور اگر وہ تیرے پاس نہ آئیں تو تو اُن کے پاس نہ جانا یہاں تک کہ وہ تیرے پاس آئیں۔

۳) مثل علی فی الناس کمثل قل ھو اللہ فی القرآن (فردوس الاخبار دیلّمی).

لوگوں میں علیؑ کی مثال ایسے ہے جیسے قران میں سورۃ قل ھواللہ کی ہے۔

۴) علی باب حطۃ من دخلہ کان مومنا ومن یخرج کان کافرا (دار قطنی)

علیؑ بابِ حطہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ مومن ہے اور جو نکل گیا وہ کافر ہے۔

۵) **علی منی وانا منه ولا یودی عنی الاانا اوعلی (ترمذی-نسائی-ابن ماجه)**

علیؑ مجھؐ سے اور میںؐ علیؑ سے ہوں، اور میری طرف سے کوئی نہیں پہنچا سکتا مگر میںؐ یا علیؑ۔

٦) **مبارزۃ علی ابن ابی طالب علی العمر و بن عبد و د یوم الخندق و ضربة علی افضل عمل امتی الی یوم القیامة (فردوس الاخبار دیلمی)**

خندق کے دن علیؑ ابن ابی طالبؑ کا عمرو بن عبدود کو جنگ کیلئے للکارنا اور اُس کے سر پر ضرب لگانا قیامت تک میری اُمت کے تمام عمل سے بہتر ہے۔

۷) **قال رسول الله صلعم لیلة اسری بی الی السماء نظرت الی ساق العرش الایمن فر آیت کتابا فهمته محمد رسول الله ایدته' بعلی و نصرته بوزیره (شفاء قاضی عیاض)**

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا! کہ شبِ معراج میں نے عرش کے دائیں ستون پر لکھا ہوا دیکھا "محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں نے (محمدؐ) کی تائید اور نصرت کی ہے۔ اُس کے وزیر علیؑ ابنِ طالبؑ کے ذریعے سے"۔

۸) **عن ابی هریرة فی قوله هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین قال قالؐ مکتوب علی العرش لا اله الا الله وحده لا شریک له محمد عبدی ورسولی ایدته بعلی ابن ابی طالب (تفسیر در منثور سیوطی)**

حضرت ابو ہریرہؓ سے اِس فرمانِ الٰہی "هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین" کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا! عرش پر لکھا ہوا ہے" اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور وہ یکتا ہے۔ اُس کا کوئی

شریک نہیں، محمدؐ میرا بندہ اور رسولؐ ہے۔ میں نے اُس (محمدؐ) کی تائید کی ہے علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کے ذریعے سے۔

۹) علیٌ باب علمی ومبین لامتی ما ارسلت به من بعدی حبه ایمان و بغضه نفاق و مودته عباده (فردوس الاخبار)

علیؑ میرے علم کا دروازہ ہے اور میری اُمت کو میرے بعد احکامِ الٰہی جو میں لے کر آیا ہوں واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ اُس سے محبت ایمان ہے اور اُس سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ اور اُس سے محبت عبادت ہے۔

۱۰) النظر الی وجه علی عبادة (نزل الابرار علامه بد خشی)

علیؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

۱۱) من فارق علیا فقد فارقنی ومن فارقنی فارقه الله عزوجل (مناقب خوارزمی-فردوس الاخبار)

جس نے علیؑ کو چھوڑا اُس نے مجھےؐ چھوڑا، جس نے مجھےؐ چھوڑا اُس کو اللہ نے چھوڑ دیا۔

۱۲) عاد الله من عاد علیا

اللہ اُس کا دشمن جو علیؑ کا دشمن ہے۔

۱۳) من ینقص علیا ینقصنی (فردوس الاخبار)

جس نے علیؑ کی قدرومنزلت کو کم کیا اُس نے میریؐ قدرومنزلت کو کم کیا۔

) من حسد علیا فقد حسد نی ومن حسدنی فقد کفر (اخرجه ابو بکر مردویه)

جس نے علیؑ سے حسد کیا اُس نے مجھ سے حسد کیا، جس نے مجھ سے حسد کیا وہ کافر ہے۔

۱۵) من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن اطاع علیا فقد

اطاعنی ومن عصاہ فقدٌ عصانی (مستدرک الحاکم)

جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔جس نے علیؑ کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی، جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔

۱۶) اللھم انصر من نصر علیا اللھم اکرم من اکرم علیا اللھم اخذلِ من خذل علیا (فردوس الاخبار)

اے اللہ تو اُس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے، اے اللہ تو اُس کو عزت بخش جو علیؑ کی عزت کرے، اے اللہ تو اُس کو ذلیل ورسوا کر جو علیؑ کو چھوڑ دے۔

۱۷) نظر رسول اللہ صلعم الی علی والحسن والحسین وفاطمہ وقال اناحرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم (ترمذی وغیرہ)

حضور پاکؐ نے علیؑ، حسنؑ وحسینؑ اور فاطمہؑ کو دیکھا اور فرمایا میری اُس سے جنگ جو تمہارے ساتھ جنگ کرے اور میری اُس سے صلح جو تم سے صلح رکھے۔

۱۸) قالؐ لعلی لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق (نسائی)

رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا! اے علیؑ تیرے ساتھ محبت صرف مومن کرے گا۔ تیرے ساتھ بغض صرف منافق رکھے گا۔

۱۹) من اذی علیا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ (استیعاب)

جس نے علیؑ کو اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔جس نے مجھے اذیت دی اُس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔

۲۰) من سب علیا فقدسبنی ومن سبنی فقد سب اللہ ومن سب اللہ ادخلہ النار ولہ عذاب مھین

جس نے علیؑ پر سب وشتم کیا پس اُس نے مجھ پر سب وشتم کیا، جس نے مجھ پر سب وشتم

کیا گویا اُس نے اللہ پر سب وشتم کیا۔ جس نے اللہ پر سب کیا اللہ اُس کو دوزخ میں ڈالے گا۔ اور اُس کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔

۲۱) من احب علیا فقد احبنی ومن احبنی فقد احب اللہ ومن اغضب علیا فقد اغضبنی ومن اغضبنی فقد اغضب اللہ عزوجل (طبرانی)

جس نے علیؑ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے میرے ساتھ محبت کی اُس نے اللہ کے ساتھ محبت کی۔ جس نے علیؑ کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا گویا اُس نے اللہ کو غضبناک کیا۔

۲۲) ان السعید کل السعید من احب علیاً فی حیاته و بعد موته وان الشقی کل الشقی من ابغض علیاً فی حیاته و بعد موته- (فردوس الاخبارؒ)

بے شک انتہائی نیک بخت ہے وہ شخص جس نے علیؑ سے اُن کی زندگی میں اور شہادت کے بعد محبت کی۔ اور انتہائی بد بخت ہے وہ شخص جس نے علیؑ سے اُن کی زندگی میں اور شہادت کے بعد بغض رکھا۔

۲۳) لو ان عبداً عبد اللہ عزوجل مثل ماقام نوح و کان له مثل احد ذهبا فانفقه فی سبیل اللہ ومد فی عمره حتی یحج الف حج علی قدمیه ثم قتل بین الصفا والمروة مظلوما ثم لم یوالک یا علی لم یشم رائحة الجنة ولم یدخلها (فردوس الاخبارؒ)

اگر کوئی شخص حضرت نوحؑ کی عمر کے برابر اللہ کی عبادت کرے اور اُس کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ اُس کی عمر اتنی طولانی ہو کہ وہ پیدل ہزار حج کرے۔ اور پھر صفاء اور مروہ کے درمیان مظلوم مارا جائے، اِس کے باوجود اے علیؑ اگر وہ تیرے ساتھ محبت نہیں رکھتا تو وہ جنت کی خوشبو سونگھے گا اور نہ اس میں داخل ہوگا۔

۲۴) عنوان صحیفة المومن حب علی ابن ابی طالب(فردوس الاخبارؒ)
مومن کے نامہ اعمال کا عنوان ہوگا ''حب علی ابن ابی طالب''

۲۵) لو اجتمع الناس علی حب علی بن ابیطالب لما خلق اللہ عزوجل النار
(فردوس الاخبار)
اگر تمام لوگ علیؑ کی محبت پر اتفاق کر لیتے تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا۔

۲۶) خلق اللہ قضیبا من نور قبل ان یخلق الدنیا بار بعین الف عام فجعلہ امام العرش حتی کان اول مبعثی فشق منہ نصفًا فخلق منہ نبیکم فالنصف الآخر علی بن ابیطالب (تاریخ خطیب بغدادی)
اللہ تعالٰی نے دنیا کی تخلیق سے چالیس ہزار سال پہلے نور کا ایک مینار خلق کیا اور پھر اُس کو عرش کے سامنے ایستادہ کیا پھر اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ سے تمہارے نبیؐ کو پیدا کیا اور دوسرے نصف سے علیؑ کو پیدا کیا۔

۲۷) خلقت انا و علی من نور واحد
میںؐ اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے۔

۲۸) ان اللہ خلق ملائکۃ من نور وجہِ علی بن ابی طالب (مناقب خوارزی)
اللہ تعالٰی نے تمام ملائکہ علیؑ کے چہرے کے نور سے پیدا کیے۔

۲۹) علی منی بمنزلۃ الراس من الجسد (اخرجہ الخطیب)
علیؑ کا مجھؐ سے وہی تعلق ہے جو سر کا جسم سے ہوتا ہے۔

۳۰) ان ولدک ولدی ولحمک لحمی ودمک دمی وان الحق علی لسانک وفی قلبک
اے علیؑ! تیرے بیٹے میرے بیٹے ہیں، تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون ہے۔اور حق تیری زبان پر اور تیرے دل میں ہے۔

۱۳۱) عن ابن عباس قال لعلی اربعة خصال لیست لاحدٍ غیره هو اول عربی و عجمی صلی مع رسول الله صلعم وهو الذی کان لواء ه معه فی کل زحف وهو الذی صبر معه یوم فرعنه غیره وهو الذی غسله وادخله فی قبره.

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ اعلیؑ میں چار صفتیں ایسی ہیں جو اُس کے علاوہ کسی میں نہیں

i) وہ عربی اور عجمی میں پہلا شخص ہے جس نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔

ii) ہر جنگ میں حضورؐ کا علم علیؑ کے پاس ہوتا تھا۔

iii) علیؑ آپؐ کے پاس رہے جس دن سارے آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

iv) اور وہ علیؑ ہے جس نے آپؐ کو غسل دیا اور قبر میں اُتارا۔

نوٹ: ان احادیث کا اردو ترجمہ مولانا بشیر احمد صاحب نے کیا ھے.

حدیث مدینۃ العلم استخلاف امیر علیہ السلام کو کافی ہے

کمال علم منتج ہوتا ہے کمال عصمت پر۔ یہ علم مشتمل بر اسرار ربانیہ و معارف صمدانیہ تھا۔ جو براہ راست بارگاہ احدیت سے عطا ہوا۔ غیرت خداوندی نے گوارا نہ کیا کہ آنکے رسول کا کوئی انسان اُستاد بنے لہٰذا منشاء ربانی ہوئی کہ استاذِ ازل ہی خود اپنی درسگاہ خاص میں اپنے محبوب کو تعلیم دے۔ یہ وہ علم تھا کہ جسکے وارث و مختار علی بن ابی طالبؑ مقرر کیے گئے۔ یہ علم نبوت کا جزو خاص لہٰذا جانشین نبی ہی اس کا وارث ہوسکتا ہے۔ یہ وہ علم تھا جسکا ذکر آیۃ کریمہ من عندہ علم الکتاب میں ہے۔ جسکی طرف قصہ طالوت میں ان الفاظ کے ساتھ معترضین پر حجت تمام کی گئی ہے زادہ بسطۃ فی العلم (اُسے علم کی فروانی سے نوازا)۔ یہ وہ علم ہے جسکے ذریعے سے آدم کا حقِ خلافت ثابت کیا گیا اور ملائکہ کو قائل کیا گیا۔ یہ وہ علم تھا جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور محض انبیاء یا خلفاء انبیاء کو عطا ہوتا ہے (آیات ذیل ملاحظہ فرمائیں)

۱۔ و علمناہ من لدنا علماً.

خضرؑ کو ہم نے اپنی طرف سے علم سکھایا۔ (سورۃ کھف آیت ۶۵)

۲. ولقد اتینا داود و سلیمان علماً.

اور تحقیق ہم نے دوادؑ اور سلیمانؑ کو علم دیا۔ (سورۃ نمل آیت ۱۵)

۳. و کلا اتینا حکما و علماً.

ہم نے سب کو حکمت اور علم عطا کیا۔ (سورۃ انبیاء آیت ۷۹)

۴. و لما بلغ اشدہ اتیناہ حکماً و علماً.

اور جب یوسفؑ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اُنہیں حکمت اور علم عطا کیا۔

(سورۃ یوسف آیت ۲۲)

.۵ ولوطاً اتیناہ حکماً و علماً۔

اور لوطؑ کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا۔ (سورۃ انبیاء آیت ۷۴)

یہی وہ علم تھا کہ جسکی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے امت محمدیہ کو حکم دیا کہ قرآن شریف کا صحیح علم حاصل کرنے کیلئے الراسخون فی العلم کی طرف رجوع کرو اور اسی حکم ہی کو مدنظر رکھ کر حضرت رسولِ خدا نے اپنی امت سے فرمایا! اگر علم حاصل کریں تو بابِ علم نبوی کی خدمت میں آئیں کہ یہ علم کہیں اور نہیں مل سکتا۔

۲) اسی علمیت کیوجہ سے جناب امیرؑ کی افضلیت تمام صحابہؓ کے اوپر ثابت ہے جیسا کہ سید محمد کرنانے سیر الاولیاء اور شہاب الدین احمد نے توضیح الدلائل میں تحریر کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے قول لولا علی لھلک عمر کا حوالہ دیا ہے (کتاب توضیح الدلائل کی عبارت یہ ہے و الصحابة کلھم یرجعو نہ مھاشکل علیھم ولا یسبقونہ و من ھذالمعنی قال عمر لولا علی لھلک عمر)۔

۳) قصہ آدم و ملائکہ جیسا کہ قرآن میں درج ہے میں معیارِ افضلیت محض علم ہے۔ فخر الدین رازی مفاتیح الغیب میں درتفسیر آیہ علم آدم الاسماء کلھا المسئلة السادسة ھذہ الایة دالة علی فضل العلم فانه سبحانه ما اظھر کمال حکمته فی خلقه آدمؑ الابان اظھر علمهٗ فلو کان وجود شیءٍ اشرف من العلم لکان الواجب اظھار فضله بذالک الشی لابالعلم یعنی چھٹا مسئلہ! یہ آیت علم کی فضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے خلقت آدمؑ میں اپنی حکمت کا کمال محض علم سے ظاہر کیا اگر علم سے بہتر کسی اور شے کا وجود ممکن ہوتا تو واجب تھا کہ آدمؑ کے فضل کا اظہار اُس شے سے کیا جاتا نہ کہ علم سے۔

۴) قرآن شریف سے بہت اچھی طرح ظاہر ہے کہ خلافت کیلئے علم شرط ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام وطالوت اور حضرت داؤدؑ کے قصوں پر جوقرآن شریف میں مذکور ہیں غور کرو علامہ بیضاوی اپنی تفسیر انوار التنزیل میں درتفسیر آیۃ و اذ قلنا للملائکۃ اسجد وا لآدم کہتے ہیں۔(واعلم ان هذه الآيات تدل على شرف الانسان و مزية العلم و فضله على العباد وانه شرط فى الخلافة بل العمدة فيها وان آدمؑ افضل من هولاء الملائكة لانه اعلم منهم والا علم افضل لقوله تعالىٰ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون).

علامہ بیضاوی وادقلنا للملائکۃ اسجدوا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔تم جان لو کہ یہ آیات انسان کے شرف اورعلم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔اور یہ کہ یہ (علم) خلافت میں شرط ہے بلکہ بہتر ہے اور یہ کہ حضرت آدم ان ملائکہ سے افضل قرار پائے کیونکہ وہ ان سے زیادہ علم رکھتے تھے اورزیادہ علم رکھنے والا افضل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق قل هل يستوى.... کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں؟ [1]

حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ کا خلیفہ کرنا۔ابوالحسن محمد بن عبداللہ الکسائی قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں ایک کہ صحیفہ کا ذکر جس میں آیت الخلافت تھی۔وہب کہتا ہے کہ حضرت سلیمان کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی تو حضرت جبرائل ایک سونے کا صحیفہ لے کر نازل ہوئے اور کہا کہ اے داؤد خدا تعالیٰ بعد سلام کے آپ سے فرماتا ہے کہ اپنی اولاد کو جمع کرو اور انکے اوپر اس صحیفہ کا مضمون پڑھو جس میں چند سوالات ہیں ۔ پس جوان سوالات کا جواب دیدے وہی تمہارا خلیفہ تمہارے بعد ہے۔ الى آخره

---

[1] (ترجمہ از مولانا بشیر احمد صاحب)

راسخون فی العلم

کتاب ینابیع المودۃ (شیخ سلیمانی حنفی قندوزی) دریافت کردن از امیر علیہ السلام کہ حضرت عیسٰی با اعجاز احیاء موتی کرد و حضرت سلیمانؑ علم منطق الطیر عطا کردہ شد۔ شما راچہ منصب حاصل است۔ فرمود حضرت سلیمانؑ بر ہدہد غضبناک شد وقتے کہ غائب شد۔ واو آب را تہ خاک میدید۔ مگر سلیمانؑ خود نمی شناختند۔ حالانکہ بایں فضیلت انسان کامل بودند کہ تخت بر ہوا پرواز میکرد ہوا و مور ملخ و تمام آدمی و جن وشیاطین وغیرہ میطع فرمان او بودند و خداوند عالم خبر میدھد ولو ان قرآناً سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتیٰ بل لله الامر جمیعا (سورہ رعد) ومیفر ماید و مامن غائۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین (سورہ نمل) ومیفر ماید ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینامن عبادنا ومیفر ماید فنحن اورثنا هذا القرآن الذی فیه ماتسیر به الجبال وقطعت به البلدان و یحیی به الموتیٰ و نعرف به الماء و اورثناهذا الکتاب فیه تبیان کل شیء.

حضرت امیرؑ المومنین سے کسی نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰؑ معجزہ کے ذریعے سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولی کا علم عطا کیا گیا تھا۔ آپؑ کو کون سا منصب حاصل ہے؟ آپؑ نے فرمایا! کہ جب ہدہد غائب ہوا تو حضرت سلیمانؑ اس پر غضبناک ہوئے تھے کیونکہ وہ زمین کے نیچے پانی کو دیکھ سکتا تھا اور حضرت سلیمانؑ نہ دیکھ سکتے تھے۔ حالانکہ وہ انسانِ کامل تھے اور اُن کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ اُن کا تخت ہوا پر پرواز کرتا تھا۔ ہوا اور تمام پرندے، جن وانس و

شیاطین اُن کے مطیع تھے اور خداوند عالم نے قرآن کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس قرآن کے ذریعے سے پہاڑوں کو چلایا جاسکتا ہے۔ زمین کے فاصلے طے کیئے جاسکتے ہیں۔ مردوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے، تمام معاملات اللہ کیلئے ہیں۔ اور فرمایا! کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ پھر فرمایا! ہم نے کتاب کا وارث بنایا اُن بندوں کو جن کو ہم نے چن لیا۔ تو حضرت امیرؑ نے فرمایا! ہم ہی وہ وارثِ قرآن ہیں کہ جس قرآن کے ذریعے سے پہاڑوں کو چلایا جاسکتا ہے، اور راستے طے کیئے جاسکتے ہیں، مُردوں کو زندہ کیا جاسکتا ہے اور زیرِ زمین پانی کو ہم قرآن کے ذریعے سے جانتے ہیں۔ ہمیں اس کتاب کا وارث بنایا گیا جس میں ہر شے کا بیان موجود ہے۔ [1]

قال الباقر علیہ السلام۔ کتاب اسرار الغیب غزالی ۱۱۲۔

نحن الراسخون و نحن نعلم تاویله و رسول الله افضل الراسخین فی العلم قد علمه الله عزوجل جمیع ما انزل الله من التنزیل و التاویل و ما کان الله لینزل علیه شیئاً لم یعلمه تاویله و اوصیائه، من بعده یعلمونه کله ۔ ہم ہی راسخون ہیں اور ہم ہی اس کی تاویل کو جانتے ہیں اور رسولؐ اللہ تمام راسخینِ علم سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام ان چیزوں کا علم عطا کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تنزیل اور تاویل سے اور اُس نے کوئی ایسی چیز آپؐ پر نازل نہیں فرمائی جس کی تاویل کا علم اُن کو نہ دیا ہو اور آپؐ کے بعد آپؐ کے اوصیاء یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۷ میں ایک باریکی قابلِ غور ہے۔ **وما یعلم تاویله الاالله والراسخون فی العلم** یعنی متشابہات کی تاویل سوائے خدا کے اور راسخون کے کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ بعد خداوند عالم علم و افضلیت میں اُسکے رسولؐ کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اور رسولؐ کا نام خصوصاً طور بعد **الا اللہ** مذکور نہیں صرف **والراسخون فی العلم** ہی ہے۔ تو یقیناً رسولؐ بھی اسی جملہ **والراسخون فی العلم** میں موجود ہیں۔ اگر آیت

[1]: اردو ترجمہ از مولانا بشیر احمد۔

اسطرح ہوتی کہ **وما یعلم تاویله ...الا الله ورسوله والراسخون ....** تو کہا جاسکتا تھا کہ بعد از خدا عز وجل عالم تاویل متشابہات رسولِ خدا ہیں اور بعدِ رسول تیسری جگہ پر راسخون ہیں۔ اور وہ غیر جنس اور مغائر بر سولؐ ہیں۔ مگر جب **الا الله** کے بعد **والراسخون فی العلم** کا جملہ وارد ہوا ہے اور لفظ رسولؐ کو علیحدہ بیان نہیں کیا گیا تو حتماً و یقیناً لفظ رسولؐ بھی اس جملہ میں از روئے معنی و مدعا حاضر و رہی موجود ہے۔ گو لفظاً وارد نہیں ہوا اور باعتبار صیغہ جمع کئی نفوس مقدسہ بھی ہم جنس و ہم صفاتِ رسولؐ ہیں۔

بعض کم فہم اور کوتاہ وہم، بے معرفت و بصیرت **الا اللـــه** پر وقف ڈالتے ہیں اور **والراسخون فی العلم** کو **یقولون امنا به کل من عند ربنا** سے ملا دیتے ہیں۔ جس سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ تاویل متشابہات محض خدا ہی جانتا ہے اور دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ **والراسخون فی العلم** تو یہی کہتے ہیں کہ ہم اسپر ایمان رکھتے ہیں سب کچھ ہمارے رب کیطرف سے ہے۔ یعنی وہ اس کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ کہ وہ خدا کیطرف سے ہے اور اُنکو اس کا علم نہیں ہے۔ علم تاویل متشابہات محض خدا سے متعلق ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن میں ایک بڑا بھاری حصہ آیات متشابہات کا ہے اور نزول قرآن عبث و مہمل نہیں کہ قرآن کو نازل فرما دے پھر اُسکا علم اپنے رسول کو نہ دے۔ جسپر مدارِ ہدایت و نذارت جملہ عوالم ہے۔ "**لیکون للعالمین نذیرا**" حالانکہ خدا فرماتا ہے **لکن الله یشهد بما انزل الیک انزله بعلمه** یعنی خدا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ جو کچھ اے محبوب اسنے تیری طرف نازل کیا اپنے علم ہی کے ساتھ نازل کیا۔ جس کا مطلب ہے کہ نزولِ قرآن مع علمِ قرآن ہے۔ یعنی جو کچھ نازل کیا گیا رسول کو اُسکا علم دیا گیا ہے۔ معانی، مطالب، مفاہیم، مصادیق قرآن سے کلاً و جملتہً آنحضرتؐ واقف ہیں۔

ینابیع المودۃ ص ۶۳۔ جنابِ رسولِ خدا سے تفسیر **وکل شی احصیناه فی امام مبین** پوچھی گئی کہ امامِ مبین تورات یا انجیل یا قرآن یا کوئی اور شئے ہے۔ آپؐ نے فرمایا! امام مبین

سے مراد علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ جنہیں ہر شے کا علم احصا کر دیا اور اُنکے سینے میں جمع فرما دیا۔

اس کی تصریح کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا!

۱۔ انا مدینة العلم و علی بابها اور فرمایا

۲ علی مع القران و القران مع علی (تاریخ الخلفا ۱۷۲)۔

سلیم بن قیس ہلالی روایت کرد کہ حضرت امیر علیہ السلام فرمود! خدائے عزوجل مارا طاہر و مطہر و معصوم خلق کرد و مارا بر ہمہ خلق شہید و شاہد قرار داد و بر زمین مارا حجت قرار داد۔ ''وجعلنامع القران و جعل القران معنا لا نفارقه ولا یفا رقنا''۔ سلیم بن قیس روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاک و پاکیزہ و معصوم خلق فرمایا اور ہمیں ساری مخلوق پر گواہ اور زمین پر حجت قرار دیا۔ اور ہمیں قران کے ساتھ اور قران کو ہمارے ساتھ قرار دیا۔ نہ ہم اس سے جدا ہیں اور نہ وہ ہم سے جدا ہوتا ہے۔ (انوار الحق)

عن الرضاؑ علیہ السلام کتاب روض الجنان ۳۹۲۔ لو جمع علوم جمیع الخلائق من الاولین و الآخرین و یوضع عند علم النبی لکان علومهم عند علمه کرمتهٖ عن رمال الدنیاو هو علم کل لان الله جعل العلم الف جزء واعطی من ذلک تسعمائة و تسعتة و تسعین لمحمدؐ واعطی واحد لمن یشاء من عباده و هو فیه ا علم منهم ۔ اگر تمام اولین و آخرین مخلوق کا علم جمع کیا جائے اور علمِ نبیؐ کے مقابلے میں رکھا جائے تو ان تمام مخلوقات کے علوم نبیؐ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہونگے جیسے دنیا کے ٹیلوں کے سامنے ریت کا ایک ذرہ ہو۔ اور وہؐ علمِ کل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علم کے ہزار حصے کئے ہیں اُن میں سے ۹۹۹ حصے نبی کریم کو عطا ہوئے اور باقی ایک حصہ اپنے تمام بندوں میں سے جسے چاہ اُسے عطا کیا ہے اور نبی کریم اُس ایک حصہ میں بھی سب سے زیادہ عالم ہیں۔[1]

---

[1] اردو ترجمہ مولانا بشیر احمد

فوجِ حُسینی کا پہلا مجاہد "مُسلم ابنِ عقیلؑ"

یوں تو دنیائے اسلام میں بہت سے مجاہد گزرے ہیں کہ انکے کارنامے اوراقِ تاریخ پر سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ جعفرطیار اور جناب حمزہ کی مثالیں پیش نظر ہیں۔ مگر جو امتیاز حسینی فوج کے قلیل التعداد مجاہدین کو حاصل ہے وہ نوعِ انسانی کے وہم وقیاس سے اعلیٰ وارفع ہے۔ جو کارنامے میدان عمل میں ان حضرات نے کر دکھائے از آدمؑ تا ایں دم عدیم المثال ہیں۔

مگر فوج حسینی کے پہلے مجاہد جناب مسلمؑ بن عقیل کا کارنامہ جو کوفہ میں روپذیر ہوا' کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب مسلمؑ کی شخصیت وہ شخصیت ہے کہ جس کو کوئی مہذب قوم اور انصاف پسند جماعت فراموش نہیں کر سکتی۔ خصوصاً اہل اسلام کے ہر فرقہ و ہر فرد کو ان کی ذات والاصفات کا مرہون منت بن کر اولوالعزمی' مستقل مزاجی' راسخ الاعتقادی اور وفاشعاری کا سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اور ان کی عظیم الشان قربانی کے نقوش کو صفحہ قلوب پر منقش کرنا چاہیے۔

فی الاصالۃ مسلم ابن عقیل کا جہاد (کوفہ میں) حسینی جہاد کا مرقعہ تھا۔ یعنی جناب مسلم نے کوفہ میں جنگ کر کے ثابت کر دیا کہ فوج حسینی کے قلیل مجاہدین کی مستقل مزاجی' راسخ الاعتقادی' وفاشعاری' رضامندی اور انتہائی صبر کا پورا نقشہ کھینچ دیا اور ثابت کر دیا کہ ہماری جنگ ظلم وجور کی بیخ کنی کرنا' استکبار و استبداد کا مٹانا اور صفحہء ارض پر حریت و مساوات قائم کرنے پر مبنی ہے اور یہی تعلیمِ اسلام کا نصب العین ہے۔ دنیا والے اچھی طرح دیکھ لیں کہ ہماری قلیل التعداد جماعت کی رگوں میں صبر و رضا' سکون و اطمینان' حوصلہ و استقلال کے خون کی وہ لہر دوڑ رہی ہے جو کہ تمہارے کفر و الحاد، ظلم وجور کی آہنی جدار کے روکنے سے رک نہیں سکتی۔

جور و جفا کے بانی لاکھ ہمارے مٹانے کی کوشش کریں، مگر خود مٹ جائینگے، ہم ان کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتے۔ اور یہی وجہ تھی کی فرزند رسولؐ، جگر گوشہء بتولؑ، حسینؑ مظلوم نینوا روحی و روحنا الفداء کو اپنے اصحاب وفاشعار پر ایک خاص فخر و ناز تھا اور فخریہ کلمات سے فرماتے تھے کہ میرے اصحاب نانا کے اصحاب سے برتر ہیں۔ یقیناً یہ وہ مایہ ناز ہستیاں تھیں کہ جن کی محبت و اقتداء ہر اہل ایمان کا فریضہ ولائحہ عمل ہونا چاہیے۔

منجملہ ان مایہء ناز ہستیوں سے جناب مسلم کی ہستی کو ایک خاص قسم کا امتیاز حاصل ہے جو ابن عباس کی روایت سے ظاہر ہے!

قال علی لرسول الله انک لتحب عقیلا قال ای والله لاحبه حبین حباله و حبالحب ابی طالب وان ولده مقتول فی محبة ولدک فتد مع علیه عیون المومنین ثم بکی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم حتی جرت دموعه علی صدرہٗ وقال الی الله اشکو ماتلقی عترتی من بعدی

ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک دن جناب امیرؑ علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کی، یارسول اللہ آپ عقیل کو دوست رکھتے ہیں؟

حضرتؐ نے فرمایا!...... خدا کی قسم عقیلؑ کو میں دو محبتوں سے دوست رکھتا ہوں۔ ایک تو اس کی محبت اور دوسری محبت عقیلؑ سے عموئے بزرگوار جناب ابی طالبؑ کے سبب سے ہے۔ پھر فرمایا!...... عقیل کا فرزند یعنی مسلم قتل کیا جائے گا۔ اے علیؑ ترے فرزند کی محبت میں یعنی ترے نور عین حسینؑ کو بمکر و دغا وطن سے آوارہ کر کے اعداء پُر جفا قتل کریں گے تو سب سے پہلے جو حسینؑ پر جانثار کرے گا وہ مسلمؑ بن عقیل ہوگا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مسلمؑ اس مظلومی سے پردیس میں قتل کیا جائے گا کہ قیامت تلک مومنین کی آنکھیں اس کی مصیبت پر رویا کریں گی۔ پھر حضرت رسول خداؐ اس شدت سے روئے، احوال مسلم پر کہ آنسو ریش مبارک سے سینہء اقدس پر ٹپکنے لگے اور فرمایا کہ میں خدا سے اس مصیبت کی شکایت کروں گا، جو میری عترت کو میرے بعد پہنچے گی۔

نیز روایات معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسلمؑ بن عقیل پیش خداوند جلیل وہ عظیم مرتبہ رکھتے ہیں کہ ملائکہ آپکی ذات پر صلوات بھیجتے ہیں۔ جب ان پر ختم المرسلین سید الانبیاء رسول خدا محمد مصطفٰے علیہ وآلہ الف التحیہ والثناء نے گریہ فرمایا ہے۔ یعنی رسول خداؐ ذاکر بن کر ذکر مصائب مسلم بیان کرنے والے تھے اور جناب امیر علیہ السلام عزادار ہو کر مسلم کی داستان سن کر رونے والے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ جیسے ماتم حسینی کی صف بچھانا خدا و رسولؐ کی خوشنودی وتقرب کا باعث ہے' ویسے ہی حضرت مسلم کے لیے صف ماتم بچھانا جمیع اہل ایمان کا فریضہ ہے اور خدا و رسولؐ کی خوشنودی وتقرب کا باعث ہے۔ کیونکہ شہادت جناب مسلم مصائب حسینؑ کی ابتدا ہے اور سب سے پہلے اسلام کا پژمردہ شجر اسی بزرگ کے پاکیزہ خون سے سینچا گیا ہے تو اب تمام اہل اسلام پر لازم ہے کہ گھر گھر میں صف ماتم بچھا کر اس مجاہد اسلام کی یاد کو تازہ کریں اور آنجناب کی گراں بہا عظیم الشان قربانی کا مرقع دنیا کے پیش نظر کر دیں۔

شہنشاہ کربلا پر گریہ و بُکا کرنا باعث ثواب موجب مغفرت ہے۔

سلامی چشم ہے رونے کو دل بُکا کے لئے
زباں ہے وصف شہنشاہ کربلا کیلئے

محرم الحرام کا مہینہ عموماً ہم مسلمانوں کیلئے غم والم کا مہینہ ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ ماہ محرم سن ہجری کا پہلا مہینہ ہے اور اس میں رنج وغم! ہاں ناظرین کرام اس کی ایک خاص اور نہایت تعجب خیز و دردانگیز وجہ ہے۔ وہ یہ کہ یہی ماہ محرم تھا کہ جس میں حضرت ختمی مرتبت سرکار رسالت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال پرملال ہی کے بعد آپ کے اہلبیتؑ اطہارؑ کے ساتھ آپ کی اُمت کے ہاتھوں ایسا دردناک و دل سوز واقعہ درپیش آیا کہ جس سے بڑھ کر ہم مسلمانوں کیلئے دنیا میں کوئی مصیبت کوئی واقعہ کوئی صدمہ نہیں ہوسکتا جو کہ عشرہ ماہ محرم ۶۱ ھ میں ارض نینوا دشت کربلا میں رُو پذیر ہوا جس کے ہیرو نواسۂ رسول خدا فرزند علیؑ مرتضٰے لخت جگر فاطمۃؑ الزہراء سلام اللہ علیہا اور قوت بازوٗ حسن مجتبٰے یعنی شہنشاہ کربلا سید الشہداءؑ حضرت امام حسینؑ ہیں۔ جو کہ اپنے تمام کنبے کے افراد اور یارو انصار کے ساتھ وطن سے دُور دشت کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے بڑی بے دردی اور انتہائی ظلم وستم سے شہید کردیئے گئے۔ کیا ہم اہل اسلام کیلئے اس جانکاہ صدمہ سے بڑھ کر کوئی غم والم ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں یہی وجہ ہے کہ جب ہلالِ محرم دکھائی دیتا ہے تو کربلا کے دل سوز واقعات ہمارے پیش نظر ہوکر ہمیں مغموم ومحزون کردیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس پُر اسرار مصیبت کے واقعہ کو تیرہ سو برس سے زیادہ گذرنے کے بعد آج بھی جس وقت

مظلوم کربلا شہید نینواء کی درد انگیز داستان یاد آجاتی ہے یا بیان کی جاتی ہے تو خواہ مخواہ درد دل رکھنے والے انسان کا جی بھر آتا ہے۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو شہء کربلا رُوحی لَہٗ الفِدَاء کا درد بھرا واقعہ ہی ایسا ہے کہ جس کے سُننے سے دل کو قابو میں رکھنا محال بن جاتا ہے۔

فی الواقع شہنشاہ کربلا مظلوم حسینؑ کے غم میں آہ و بُکا کرنا صرف نوع انسانی تک محدود نہیں بلکہ ان کا غم ہر ذرہ کائنات کو محیط ہے جیسا کہ مولانا شاہ محمد بن حضرت شیخ المشائخ مولانا شاہ محمد سلیمان حنفی القادری اپنی تصنیف "غم حسینؑ" کے صفحہ 11 میں تحریر فرماتے ہیں۔ اور مروی ہے (راحت القلوب) کہ جب حضور نے جبرئیل امین سے اس سانحہء قیامت خیز کی خبر سُنی تو پوچھا کہ اے امین اللہ۔ یہ کہو کہ اس دن میں ہوں گا۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا "نہیں" سرکار رسالت نے پوچھا علیؑ مرتضے زندہ ہوں گے۔ عرض کیا کہ اُس دن وہ بھی زندہ نہ ہوں گے آپ نے پوچھا کیا "فاطمہؓ" جبرئیلؑ نے کہا کہ اس دن وہ بھی نہ ہون گی حضور صلعم روئے اور فرمایا۔ اے اخی جبرئیلؑ جب ہم لوگوں میں سے کوئی بھی نہ ہوگا تو پھر اس غریب کا ماتم اور ان کی تعزیت کون کرے گا (آہ) ان کو روئے گا کون؟ جبرئیلؑ امین نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ واقعہ ہوگا کہ آپ کی امت کے لوگ قیامت تک ان پر روئیں گے اور اس دن (یوم شہادت) آہوانِ دشتی (ان کے غم میں) اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلائیں گے۔ پھر کتاب مذکور کے صفحہ ۶۶ سے ۷۰ تک یوں تحریر فرماتے ہیں۔ مسلمانو! یہ وہ درد انگیز داستان ہے کہ سخت سے سخت دل کیوں نہ ہو اس واقعہ کو سُن کر ضرور بے چین ہو جاتا ہے اور دو چار قطرے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا اور یاد رکھئے کہ حضرت سیدا الشہداءؑ پر رونا کسی طرح ضائع نہیں ہوسکتا جیسا کہ مُلا مبین لکھنوی رحمتہ للہ نے اپنی کتاب "وسیتہ النجاۃ" میں مسند امام احمد حنبل رحمتہ للہ علیہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو آنکھیں امام حسینؑ کو روتی ہیں وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ کرلیتی ہیں اور (غنیتہ الطالبین) میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی ہزار فرشتے مقرر کئے ہیں کہ وہ سیدا الشہداء کی ضریح مبارک پر رویا کرتے ہیں۔

اور آنحضرت کی شہادت پر حزن والم کا اظہار کرتے ہیں۔ نیز کتاب وسیلتہ النجاۃ میں ایک روایت رقم ہے کہ عمر بن لیث کو جو سلاطین خراسان میں سے تھا اور بڑا پہلوان، قوی و دولتمند تھا اور فوج کثیر رکھتا تھا جب وہ فوت ہو گیا تو لوگوں نے اُسے خواب میں دیکھا جو نہایت اچھی حالت میں تھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری آمرزش و بخشائش کا کیا سبب ہے اس نے کہا ایک دن میں پہاڑ پر تھا اور اپنی بے شمار فوج کا ملاحظہ کر رہا تھا اس کی کثرت پر خوشی کے ساتھ اس وقت مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں اپنی فوج کے ساتھ سید الشہداء کے محاربہ کے دن آپؑ کے پاس ہوتا تو امامؑ کے دشمنوں سے خوب مقابلہ کرتا اور ان پلیدوں کو خوب مار کر فنا کر دیتا پس اسی حسرت کی بدولت اللہ تعالےٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھے جنت نصیب ہوئی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ کے سامنے امام والا مقام کی شہادت کا ذکر ہوا تو وہ اس قدر روئے کہ سر کو زمین پر دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور مر گئے اسی رات کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور ان سے حال پوچھا تو اس نے کہا میں نے اہلبیتؑ اطہار کی محبت میں اپنی جان دے دی تھی اس لئے اللہ تعالےٰ نے مجھے بخش دیا اور میں امام حسینؑ کے ساتھ رہتا ہوں۔ حضرات ناظرین بقول صاحب تصنیف غم حسینؑ اگر ان حدیثوں کو جو "مسند احمد حنبل" اور غنیتہ الطالبین" میں مروی ہیں ضعیف اور موضوع کہا جائے تو ان سے قطع نظر کیجئے مگر امام مظلوم پر رونا سنت تو ضرور ہے اس کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ جبرئیلؑ امین نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب امام والا مقام کی شہادت کی خبر سنائی تو آپ ان کی مصیبت کا خیال کر کے روئے تھے اور خوب روئے تھے نیز ام سلمہؓ اور ابن عباس کے خوابوں سے بھی رسولؐ اکرم کی گریہ وزاری کا ثبوت ملتا ہے پھر کیوں کر ہم مسلمان اس جانکاہ قصہ کو سن کر ضبط کر سکتے ہیں خواہ مخواہ محزون و مغموم ہونا پڑتا ہے۔

اس جانکاہ قصہ و قیامت خیز واقعہ کا اثر دنیا کے دیگر اہل اسلام پر کیا ہوتا رہا اس کو تفصیلی طور پر نہیں بتایا جا سکتا۔ مگر ہندوستان کے بزرگ اور اولیا کرام کے احوال پر نظر کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے یہ حضرات غریب نینواء کے سدا درد انگیز واقعہ پر اظہار غم کرتے آئے ہیں جیسا

کہ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ عاشور کے دن اس واقعہ کا ذکر کر کے "ہائے ہائے" کا نعرہ کرتے تھے اور غش کر جاتے تھے۔

چنانچہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ آپ کے ملفوظ "مخ المعانی" میں ہے۔ روز عاشور سعادت زمین بوس حاصل شد خلق شہر بیشتر حاضر بودند و جماعتے از سادات نیز بندگی حضرت مخدوم عظمہ اللہ روئے مبارک برآں سیداں آورد فرمود امروز تعزیت خاندان شما است ما ہمہ طفیل شمائیم بعد ازاں فرمود۔ سبحان اللہ تعزیت خاندان شما ہمہ راواجب است آنگاہ گفت کہ ہمچنیں گویند دراں روز کہ امیر المومنین حسینؓ رضی اللہ عنہ شہادت خواہند یافت شب آں بزرگے فاطمہؓ رضی اللہ عنہا رادر خواب دید کہ جملہ زنانِ انبیاء دامن مبارک خوددر کمر بستہ در دشتِ کربلا درآمدہ است وہماجا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ، خواہند افتاد جاروب مے دہند وبا آستین مبارک خود پاک مے کند پرسید کہ خاتون روز قیامت ایں چہ مقام است فرمود حسینؓ غریب ما سرایں جا خواہد نہاد آنگاہ گفت کہ نقل است کہ حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوں این قصہ راازجبرائیل شنید پرسید کہ چوں میان ما کسے بناشید تعزیت ایشاں کہ دارو گفت یا رسول اللہ اُمتیانِ تو برائے فرزندان تو تعزیت کنند وماتم دارند کہ صفت آں نتواں کرد"۔

حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی قدس سرہ کی یہ حالت تھی کہ محرم کا چاند دیکھ کر وہ بے قرار ہو جاتے تھے اور گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اور رسم عاشورہ برپا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمام اکابر سادات کا یہی طریقہ ہے۔ ذکر مقتل پڑھا کرتے تھے اس پر رونے کو ثواب فرماتے تھے "لطائف اشرفی" میں ان کے حالات میں لکھا ہے۔ "رسم عزا برپا مے داشت چنانچہ لباس رعونت برتن درعشرہ نمے پوشیدند واسباب عیش وشادی ترک مے کردند"۔

حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈوی قدس سرہ کے احوال میں بھی لکھا ہے کہ دس دن محرم کے برابر گریہ وزاری کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ طرفہ وے باشد کہ در ماتم خاندان رسول وجگر گوشہء بتولؓ نگرید وعزائے اوندارد سبحان اللہ چہ نیاز است"۔

کسے کہ درچنیں ماتم نہ گرید　　　دل آں کس مگر زنگ باشد

یہ تو وہ لوگ ہیں جو ساتویں آٹھویں صدی اسلام میں گذرے ہیں اور ان کے بعد بھی یہی دستور رہا شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اخبارالاخبار'' فرماتے ہیں کہ احمد شیبانی اور دیگر بزرگان کا بھی یہی دستور رہا کہ سادات کے گھر عاشورہ کے دن وہ لوگ کھانا لے جاتے اور گریہ وزاری کرتے تھے اور شیخ فرماتے ہیں کہ دیار اطراف ''دہلی میں'' یہ قدیم دستور ہے کہ عورتیں بروز عاشورہ مجتمع ہو کر گھروں میں گریہ وزاری کرتیں ہیں۔ سید عبدالرزاق ہانسوی پر بھی اس عشرہ محرم کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ آخر میں مولانا محمد حسن میاں ابن مولانا شاہ محمد سلیمان حنفی قادری پھلواری فرماتے ہیں۔

الغرض یہ حزن والم محرم میں صوفیاء کے یہاں ہمیشہ سے معمولات میں رہا ہے اور ہمارے خاندان میں تو اہلبیتؑ کی محبت گھٹی میں پڑی ہوئی ہے مجھے اپنے خاندان کے معمولات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ادنیٰ اثر اس کا یہ ہے کہ میں یہ کتاب ''غم حسینؑ'' اسی داستان غم افزاو حادثہ روح گُزا کے متعلق قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس غم میں رونے۔ رولانے والوں کو ثواب عظیم کا مستحق جانتا ہوں۔ عشرہ محرم میں ذکرِ اہلبیتؑ کے سوا دوسرا ذکر نہیں کرتا ہوں جیسے کہ حضرت قبلہ والد صاحب مدظلہ العالی کا معمول ہے اللہ مجھے قبول کرے اور موالیان اہلبیتؑ میں محشور فرمائے۔'' اے خدا تو اس وقت رحمت نازل فرما ہمارے نبی محمدؐ پر جو سردار ہیں جن وانس کے جب آنکھیں امام حُسینؑ پر وتی رہیں۔

''انیس الذاکرین'' مصنفہ مولانا مہدی علی حنفی صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں جو حسینؑ پر روئے یا رولانے والا ہوگا اس پر جنت واجب ہوگی اور دونوں جہاں میں شاد وخرم ہوگا مولانا نصر اللہ صاحب حنفی اپنی کتاب ''دہ مخزن'' میں لکھتے ہیں رونا اور غمگین ہونا شہاداتِ اہلبیتؑ پر موجب ثواب وترقی درجات اور باعث کفارہ سیئات علامت رحمت ودلیل شفقت ہے۔ نیز مُلا مبین صاحب فرنگی محل اپنی کتاب ''وسیلۃ النجاۃ'' مطبوعہ گلشن فیض لکھنوء کے ۳۰۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جو شخص حضرت امام حسینؑ پر آنسو بہائے یا صرف اس کا ایک قطرہ آنسو کا ٹپکے تو خداوند عالم اس کو جنت عطا کرے گا۔ اور علامہ ابوبکر شہاب الدین الحضرمی

(کتاب ''شفقتہ الصادی'' من بحر فضائل النبی الہادی، مطبع اعلامیہ قاہرہ مصر) میں حدیث نقل کر تے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ بن علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(من دمعت عیناہ فینا دمعتہ او قطرت عینا قطرۃ اتا ہ اللہ و فی روایۃ بواہ اللہ الجنتہ (اخرجہ احمد فی المناقب) کہ جو شخص ہمارے مصائب پر آنسو بہائے یا آنکھوں سے ایک قطرہ ٹپکائے اس کو خدائے تعالیٰ جنت کرامت کرتا ہے اس حدیث کو امام احمد حنبل نے کتاب ''المناقب'' میں درج کیا ہے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف ملا علی قاری جلدہ صفحہ۶۰۴ مطبوعہ میمینہ میں حضرت امام حسنؑ سے حدیث تحریر کرتے ہیں۔ جس کی امام احمد حنبل نے ''المناقب'' میں روایت کی ہے۔

اخرج احمد فی المنا قب عَنْ اِلر بیع بن منذر عن اَبِیہ قا ل کان حسن بن علیؑ یقول من دمعت عینا ہ فینا قطر ۃ اَتَا ہُ اللہ عزو جَل الجنتہ.

امام احمد بن حنبل مناقب میں اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ بن علی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ہم پر آنسو بہائے یا صرف ایک قطرہ ٹپکائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔ علاوہ ازیں شیخ الاسلام شیخ سلیمان البلخی القندوزی نے کتاب ینابیع المودۃ جلد دوم میں ایک خاص باب گریہ کے فضائل کا قرار دیا ہے۔ اور کتاب مذکور میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ جس مومن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو۔ شہادت امام حسینؑ پر اور رخسار پر بہہ آویں تو خداوند عالم اس کے عوض میں اس کو جنت میں ایک غرفہ عطا فرماتا ہے اور جس مومن کے آنسو جاری ہوں اور رخسار پر بہہ آویں ۔ ہماری مصیبت پر جو ہمارے دشمنوں سے ہم پر پہنچے ہیں تو خدا اس کو منزل صدق کرامت فرماتا ہے اور جو شخص مومن ہماری مصیبتوں پر جو ہم کو دشمنوں سے پہونچیں ہیں۔ آنسو بہائے اور ایک قطرہ اشک بھی رخسارے تک پہنچے تو خداوند عالم اس سے اذیت کو برطرف کرے گا اور قیامت کے دن اس کو اپنے غضب اور عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں

کہ جو شخص ہماری مصیبتوں کا ذکر کرے یا اس کے سامنے بیان کی جائین پس اس کے آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اگر چہ پر پشہ کے برابر ہو تو خداوند عالم لطف و کرم سے اس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اگر چہ وہ گناہ مثل سمندر کے پھبن کے ہی ہوں۔ کتاب مودۃ القربیٰ المودۃ الحادیہ عشر فی فضائل فاطمۃ الزہراؑ سلام اللہ علیہا۔ صفحہ ۳۸ میں جناب سید علی ہمدانی تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمابؐ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک مُنادی ندا کرے گا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو تا کہ فاطمہؑ بنت محمد مع حسینؑ کے خون آلودہ کرُتے کے عرصہ قیامت سے گذر جاویں۔ پس فاطمہؑ پایہ عرش کو پکڑ لیں گی اور فریاد کریں گی اے جبار اے عادل۔ میرے اور میرے فرزند حسینؑ کے قاتلوں کے درمیان فیصلہ کر اس وقت خداوند عالم میری بیٹی کے موافق فیصلہ فرمائے گا۔ پھر فاطمہؑ درگاہ رب العزۃ میں عرض کرے گی کہ جو لوگ میرے فرزند حسینؑ کی مصیبت پر روتے تھے ان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اس وقت خداوند عالم فاطمہؑ کی شفاعت قبول کرے گا اور حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے والے بخش دیئے جائیں گے۔ اسی طرح امام ابو اسحاق اسفرائنی نے کتاب ''نور العین فی مشہد الحسینؑ'' کے صفحہ ۱۰۰ میں فضیلت گریہ میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ ماہ محرم میں جاہلیت کے زمانہ میں کفار بھی جنگ کرنا حرام جانتے تھے لیکن (مسلمانوں نے) اس ماہ محرم میں ہمارے خون کو حلال کر دیا ہمارے مال کو لوٹ لیا۔ ہماری حرمت کو برباد کیا ہماری عزت و حرمت کا خیال نہ کیا۔ عاشورہ محرم کو ہمارے قلوب جلتے ہیں۔ آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ کربلا کی زمین نے کرب و بلاء کو ہمیں ورثہ میں دے دیا۔ رونے والے حسینؑ پر روئیں اس لیے کہ اے مومنین حسینؑ پر رونا گناہوں کو مٹاتا ہے اور بابا رتن بن عبد اللہ الہندی جن کا نام ابن حجر نے قسم رابع کے صحابیوں میں درج کیا ہے اور جس کی صحابیت کی توثیق مؤرخ شمس الدین محمد بن ابراہیم الجزری نے اپنی تاریخ میں اور مورخ البہا الجندی نے اپنی تاریخ میں اور محدث المکثر الرجالی علامہ جمال الدین محمد بن احمد نے کتاب ''فوائد رحلۃ'' اور مولانا عبد الرحمن جامی نے ''نفحات الانس''

میں کی ہے اوران کے علاوہ تمام صوفیا کرام بابارتن کے صحابی ہونے کی توثیق کرتے ہیں چنانچہ یہی ''بابارتن'' فضیلت گریہ میں ایک حدیث جناب رسالت مآب سے روایت کرتے ہیں جس کو علامہ ابن حجر نے اصابہ فی تمیز اصحابہ جلد اصفحہ ۵۳۳ مطبوعہ مصر میں نقل کرتے ہیں۔رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جوکوئی بندہ (مومن) عاشورہ کے روز حسینؑ کی مصیبت پر روئے تو قیامت کے دن انبیاء اولوالعزم کے ساتھ ہوگا اور فرمایا کہ عاشورہ کے دن رونا (حسینؑ پر) قیامت کے دن مومن کیلئے نورتام مکمل نور ہوگا۔اور جناب ملا حسین واعظ کاشفی کی مشہور کتاب ''روضتہ الشہداؑ'' مطبوعہ نو لکشور کانپور کے صفحہ ۶۰۵ پر یوں رقمطراز ہیں۔اور حسینؑ کے غم میں گریہ کرنا خدا کی رضا حاصل کرنے اور جنت میں پہنچنے کا سبب ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جوشخص امام حسینؑ پر روئے یا رونے والوں کی شکل بنائے اس پر جنت واجب ہوتی ہے اس لیے رونے والوں کی شکل بنانے سے اس حکم میں داخل ہوتا ہے کہ مَنْ تَشَبہ بِقَوْم فَھُوَ مِنھُم جوکسی قوم کی نقل کرے تو وہ ان میں سے ہے گویا کہ رونے والے کی شکل بنانے والا خود گریہ کرنے والا ہے اسی لئے اس پر بھی جنت واجب ہے امام رضی بخاری فرماتے ہیں کہ اے عزیز کربلا کی خاک وہ خاک ہے جس میں شہادت کا بیج بویا گیا ہے۔اس لیے اس کو سیراب کرنے کیلیے دوستوں کے آب چشم کی ضرورت ہے پس جو شخص اپنی آنکھ کے سوتوں سے پانی بہائے اور خاک کربلا کو سینچے تو گویا وہ نیکی کے بیج کو جس کو شہداء کی محبت میں بویا ہے اپنے آنسوؤں سے مزرعہ رضا میں سیراب کررہا ہے جب ایسا شخص اس دنیا کی اس منزل سے جو آخرت کے لئے مثل کھیتی کے ہے چلا جائے گا تو اس کو جنت کی نعمتیں آخرت میں ملیں گی۔پھر مُلا حسین واعظ کاشفی مذکور کی کتاب ''روضتہ الشہدا'' کے صفحہ ۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔کتاب مذکور کی اصل فارسی عبارت کو ترک کر کے صرف ترجمہ پیش کررہا ہوں۔عزیزو! غور کیجئے کہ حضرت امام حسینؑ کی مصیبت میں رونے کا کس قدر ثواب ہے آئمہ اہلبیتؑ سے روایت ہے کہ غم حسینؑ میں جو آنسو نکلتا ہے دریا بنتا ہے اس نایاب موتی کی قیمت بازار حشر میں مخلوق پر ظاہر ہو گی۔کہ ایک آنسو کے عوض نعیم جنت حاصل ہوگی۔شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں

کہ روز عاشور میں امام حسینؑ کی مصیبت میں رویا اور دل میں کہنے لگا کہ اگر میں عاشور کے دن نہ تھا کہ امام حسینؑ کے اپنا خون بہاتا تو کم از کم آج چند آنسو اپنی آنکھوں سے تو بہا دوں فرماتے ہیں رات کو جب میں سویا تو عالم خواب میں حضرت رسالتؐ مآب کو دیکھا کہ حضور صلعم قسم کھا کے فرماتے ہیں کہ اے سہل میرے فرزند حسینؑ کے غم میں تمہارا ایک آنسو بھی ضائع نہ ہوگا۔ آج کے دن جو تم نے یہ گریہ کیا ہے اس کے عوض میں تجھ کو کل قیامت کے دن اتنا ثواب ملے گا کہ جس کا حساب وشمار نہ ہو سکے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بروز قیامت حضرت امام حسینؑ خون آلودہ چہرے کے ساتھ تشریف لائیں گے اور عرض کریں گے خداوند! میں ان لوگوں کی شفاعت کرتا ہوں جنہوں نے مجھ مظلوم پر گریہ کیا تھا۔ امام مظلومؑ کی دعا قبول ہوگی اور رونے والوں کو پروانہ نجات مل جائے گا۔ درگاہ رب العالمین میں دُعا گو ہوں کہ خداوند عالم ہم سوگواران کو بھی شہنشاہ کربلا کی شہادت کا صدقہ اُن ہی رونے والوں میں قرار دے اور پروانہ نجات شہید کربلا ''ذبیح نینوا'' کے دست مبارک سے نصیب ہو۔

امین ثم امین یا رب العلمین بحق آل یٰسین.

حضرت صاحب الزمانؑ کے اسماء والقاب

ماہ شعبان المعظم کی پندرھویں تاریخ وہ تاریخ سعید ہے کہ جسکی صبح کو کان عصمت کا چودھواں گوہر اور اقلیم امامت کا آخری تاجدار یعنی موالیان آلِ اطہار کا بارھواں امام حضرت **حجة اللہ فی عبادہ و بقیة اللہ فی بلادہ حجة بن الحسن صاحب العصر و الزمان صلوٰة اللہ و سلامہ علیہ و علی ابائہ الکرام مادامت اللیالی و الایام** کے وجودِ مسعود کا نور ۲۵۵ھ کو سر من رائے میں منصہ شہود پر جلوہ افروز ہوا۔ چونکہ آپ کی ولادت باسعادت کا یوم جامِ ولا کے مستانوں اور شمع امامت کے پروانوں کے نزدیک صرف عید نہیں بلکہ عید سعید ہے۔ لہذا اس مبارک تقریب کی خاطر آنحضرت عجل اللہ فرجہ کے اسماء والقاب کو احاطہ تحریر میں لانے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ شیخ مرحوم ثقہ الاسلام (نوریؒ) نے نجم الثاقب میں آنجنابؑ کے اسماء و القاب کی تعداد ۱۸۲ درج فرمائی ہے۔ لیکن بلحاظ اختصار صرف ان اسماء مبارکہ والقاب شریفہ کو جن کو شیخ مرحوم الحاج عباس قمی رضوان اللہ علیہ نے کتاب منتھی الآمال میں ذکر کیا ہے۔ اکتساب اجر کی خاطر سپرد قرطاس کرتا ہوں۔ **وما توفیقی الا باللہ**

۱) بقیۃ اللہ

مروی ہے کہ جب آنحضرت عجل اللہ ظہورہ ظہور وخروج فرمائیں گے تو دیوارِ کعبہ سے پشت مبارک کو لگا کر کھڑے ہونگے اور آپ کے خاص ۳۱۳ ناصر آپ کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ اس وقت پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے تکلم فرمائیں گے وہ قرآن کریم کی یہ آیۃ مبارکہ ہوگی۔ **بقیة اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین** ۔اور فرمائیں گے!...... **ایھا الناس** میں ہی **بقیة اللہ** ہوں اور میں ہی تم پر حجۃ خدا و خلیفہ ہوں۔ پس آنحضرتؑ کو اس وقت کوئی شخص سلام نہ کہے گا مگر اس

طرح ... السلام علیک یا بقیة اللہ فی ارضہ !

۲) حجۃ

یہ نام آپ کے مشہور و معروف القاب میں سے ہے۔ اور آپؑ بہت سی ادعیہ و اخبار میں اسی لقب سے مذکور ہوئے ہیں۔ باوجودیکہ اس لقب میں تمام ائمہ علیہم السلام شریک ہیں اور سب کے سب منجانب اللہ تمام مخلوق پر حجتِ خدا ہیں۔ لیکن یہ لقب آنجنابؑ سے اسقدر اختصاص حاصل کر چکا ہے کہ جس جگہ بلا قرینہ و شاہد مذکور ہو' مراد حضرت صاحب العصر والزمانؑ ہوتے ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا لقب حجۃ اللہ بایں معنی ہے کہ آپؑ باعثِ غلبہ و سلطنت خدا ہیں' تمام مخلوق پر' کیونکہ یہ دونوں یعنی غلبہ و سلطنت خدائی آپ کے واسطہ سے ظہور پذیر ہوگی۔ اور نقش خاتم آنجنابؑ کا بھی انا حجة الله (میں خدا کی حجت ہوں) ہے۔

۳) خلف و خلف صالح

آنحضرتؑ کا یہ لقب السنہ آئمہ علیہم السلام پر مکرر مذکور ہوا ہے۔ اور خلف سے مراد جانشین ہے۔ آنجناب تمام انبیاء و اصفیاء گذشتہ کے خلف ہیں اور انکے جمیع علوم و صفات و حالات و خصائص کے مالک ہیں۔ تمام مواریث الہیہ جو کہ تمام انبیاء کو یکے بعد دیگرے پہنچی ہیں۔ آنحضرتؑ کے پاس جمع و موجود ہیں۔ حدیث لوح جو کہ مشہور و معروف ہے کہ جس کو جابرؓ نے حضرت صدیقہ طاہرہ علیہا السلام کے نزدیک دیکھا تھا۔ اس میں بعد ذکر امام عسکری علیہ السلام کے مذکور ہے کہ

''اس وقت کامل کروں گا' اس کو اس کے فرزند خلف کے ساتھ کہ جو جمیع عالمین کے لیے رحمت ہے ۔ اور ان پر صفوت آدمؑ' رفعت ادریسؑ' سکینہ نوحؑ' حلم ابراہیمؑ' شدت موسیٰؑ و بہاء عیسیٰؑ و صبر ایوبؑ کا کمال ختم ہے''۔

اور حدیث مفصل میں مشہور ہے کہ جب آنجنابؑ ظاہر ہونگے تو اپنی پشت کا تکیہ کعبہ کو

قرار دے کر فرمائیں گے!......اے گروہ خلائق آگاہ ہو جاؤ کہ جو کوئی آدمؑ و شیثؑ کی زیارت کرنا چاہے تو پس میں آدمؑ اور شیثؑ ہوں۔ اسی طرح ذکر کرتے جائیں گے۔ نوحؑ و سامؑ و ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و موسیٰؑ و یوشعؑ و شمعونؑ اور رسولِ خدا اور تمام ائمہ علیہم السلام تک ذکر فرمائیں گے۔

۴) شرید

آپ کا یہ لقب آئمہ علیہم السلام کی لسان پر خصوصاً حضرت امیر المؤمنینؑ و جناب امام باقر علیہ السلام کی زبان مبارک پر مکرر مذکور ہوا ہے۔ شرید بمعنی راندہ شدہ کے ہیں۔ یعنی اس اوندھی عقل کی مخلوق سے کہ انہوں نے آپ کی قدر و منزلت کو نہیں پہچانا اور آپ کے وجودِ مسعود کو نعمت الٰہی نہ سمجھا اور نہ آپ کا حق اور نہ ہی شکریہ ادا کر سکے۔ پس جبکہ ان کے اوائل آنجناب پر غلبہ و تسلط اور ذریتِ طاہرہ کے قتل و غارت و قلع قمع سے ناامید ہو گئے۔ تو انہوں نے یعنی آپ کے مخالفین اپنی زبان و قلم کے ذریعے جناب کے مقام و مرتبے کی نفی پر آمادہ ہو گئے۔ اور آپ کے اصل وجود مبارک و تولد کے انکار پر دلائل قائم کرنے لگ گئے اور آپ کی یاد دلوں سے بالکل مٹا دی۔ خود آنحضرتؑ نے ابراہیم بن علی بن مہریار کو فرمایا' مجھے اپنے بدر بزرگوار نے فرمایا ہے کہ اپنے لیے کسی جگہ کو منزل نہ قرار دوں' مگر ایسی جگہ کو جو ان مخالفین کی نظر سے محفوظ ہو تا کہ اہل ضلال کے مکر و فریب سے پوشیدہ رہ کر اپنے امر و مقام و محل کو محکم رکھ سکوں۔ پدرم بزرگوار نے مجھے فرمایا! اے فرزند تم پر لازم ہے۔ زمین کی پوشیدہ جگہوں پر مکیں رہو اور ان گمراہ لوگوں کے طلب کرنے سے دور ترین رہو۔ کیونکہ ہر ولی خدا کے لیے ہر زمانے میں دشمن مغالب ضدی منازع ہوتا آیا ہے۔

۵) غریم

آنحضرتؑ کے القاب خاصہ میں سے خاص لقب ہے۔ اخبار و احادیث میں اس لقب خاص کا اطلاق آنحضرتؑ پر شائع ہوا ہے کہ غریم کا معنی طلب گار، قرض خواہ کے بھی ہیں اور بمعنی

بدہکار کے بھی ہیں مگر اس جگہ ظاہراً پہلا معنی مراد ہے بطور تقیہ۔ کیونکہ جب آپکے شیعہ حضرات کوئی مال آنحضرتؑ کے پاس یا آپؑ کے وکلاء کے پاس بھیجنا چاہتے تھے یا وصیت کرتے یا آنجنابؑ کی طرف سے کوئی مطالبہ کرتے تو اسی لقب سے جنابؑ کو یاد کرتے تھے اور عموماً ارباب زراعت و تجارت وصنعت وحرفت ہی طلبگار ہوتے تھے۔ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ غریم بمعنی بدہکار یعنی قرض دار کے ہو اور آنجنابؑ کو اس نام سے یاد کرنے کی وجہ تشبیہ دینا ہے کہ جو لوگوں سے قرض دینے کی وجہ سے اپنے آپ کو مخفی رکھتا ہے آنخضرت بھی اسی طرح لوگوں سے مخفی ہیں یا اس وجہ سے آپ کو غریم کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ جب لوگ آنخضرتؑ کو اخذ علوم اور شرائع دینی کو حاصل کرنے کیلئے تلاش کرتے ہیں تو آنجنابؑ اُن سے بجہت تقیہ گریز کرتے ہیں پس آنخضرتؑ بایں معنی غریم مستر ہیں۔ صلواۃ اللہ علیہ

۶) قائم

یعنی فرمان حق تعالیٰ کو بجالانے کیلئے آمادہ ہونے والا کیونکہ آنخضرتؑ ہمیشہ شب و روز فرمان الٰہی کیلئے آمادہ ہیں کہ محض اشارہ ظہور ہو۔ روایت میں آیا ہے کہ آنخضرتؑ کا قائم نام اس لئے ہے کہ قیام بحق کرنا چاہیں گے۔ صقر بن ابی دلف روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے عرض کیا کہ آنجنابؑ کا نام قائم کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی امامت کو اُستوار کریں گے جبکہ لوگ آپ کے ذکر کو فراموش کر چکے ہونگے اور قائل امامت ہونے کے بعد مرتد ہو گئے ہوں گے۔ ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ اُس نے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ یابن رسول اللہ کیا آپ سب قائم بحق نہیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں ہم سب قائم بحق ہیں میں نے عرض کیا حضرت صاحب الامر علیہ السلام کا نام قائم کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ جب میرے دادا حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے تو ملائکہ نے درگاہ الٰہی میں صدائے گریہ و نالہ بلند کی اور عرض کرنے لگے اے خداوند! ہمارے سید، اپنے برگزیدہ، فرزند پیغمبر اور بہترین مخلوق کے شہید ہو جانے سے آپکی ذات بالکل خاموش ہوگئی۔ کیا ان کے قاتلوں کا بدلہ

نہ لیا جائے گا؟ تو حق تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ اے میرے ملائکہ بیقرار مت ہو مطمئن رہو مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ضرور بالضرور اس کا انتقام لوں گا چاہے کہ مدت مدید کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ پس اُسوقت حق تعالیٰ نے ملائکہ کے سامنے حجاب اُٹھا دیئے اور ان ائمہ علیہم السلام کا نور دکھایا جو کہ فرزندان حسینؑ میں سے منصۂ شہود پر آنے والے تھے۔ ملائکہ ان انوار مقدسہ کے دیکھنے سے شاد ہو گئے پس ان میں سے ایک نور دیکھا جو قائم یعنی استادہ تھا اور نماز میں مشغول تھا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اسی قائم کے ذریعے سے میں قاتلین حسینؑ سے انتقام لوں گا۔ ویسے تو آنحضرتؑ کے اسم مبارک کے سننے سے تعظیماً کھڑا ہونا چاہیے مگر یہ تمام اصناف امامیہ کثرھم اللہ کی سیرت مستقرہ بن چکے ہیں جو کہ وجود ماخذ پر خود کاشف ہے اور حضرت ثقۃ المحدثین ناصر ملت والدین مرحوم حاجی شیخ عباس قمی رضوان اللہ علیہ اپنی تالیف کتاب منتھی الآمال میں لکھتے ہیں کہ چند نفر علماء واہل اطلاع کے متعلق سنا گیا ہے کہ اُنہوں نے اس بارے میں ایک خبر دیکھی ہے کہ بعض علماء نے نقل کیا ہے اس مطلب کے متعلق عالم متبحر جلیل سید عبد اللہ سبط محدث جزائری سے سوال کیا گیا اور آنمرحوم نے اپنی بعض تصنیف میں جواب دیا کہ ایک خبر میں وارد ہے جسکا مضمون یہ ہے ایک دن صادق آلِ محمد علیہ السلام کی مجلس میں آنجناب کا اسم مبارک لیا گیا پس حضرت بجہت تعظیم واحترام کھڑے ہو گئے۔ بعدہ شیخ مذکور رضوان اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے یہ مندرجہ بالا کلام شیخ مرحوم ثقۃ اللہ نوریؒ کا تھا جو کہ النجم الثاقب میں ہے لیکن عالم محدث جلیل وفاضل ماہر متبحر جلیل سیدنا الاجل آقا سید حسن موسوی کاظمی ادام اللہ بقاء نے تکملہ امل الآمل میں فرمایا ہے۔ ماحصل یہ ہے علماء امامیہ میں سے ایک عالم عبد الرضا ابن محمد جو کہ اولاد متوکل سے ہے اُس نے وفات حضرت امام رضا علیہ السلام کے متعلق کتاب لکھی جو تاجیج نیران الاحزان فی وفات سلطان خراسان کے نام سے موسوم ہے۔ اس کتاب کے منفردات میں سے یہ ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ دعبل خزاعی نے جس وقت اپنا قصیدہ تائیہ حضرت امام رضا علیہ السلام کیلئے انشاء کیا اور سنایا۔ جب وہ اس شعر پر پہنچا "خروج امام لامحالة خارج یقوم علی اسم اللہ بالبرکات"

توحضرت امام رضا علیہ السلام اُٹھے اور اپنے پائے مبارک پر کھڑے ہو گئے اور سر نازنین کو زمین کی طرف خم کیا اور دایاں ہاتھ اپنے سر اقدس پر رکھا اور فرمایا **اللھم عجل فرجہ و مخرجہ وانصرنا بہ نصرا عزیزا۔**

۷) م ُح مَّ دُ ۔ (صلی اللہ علیہ وعلی اباۂ واھل بیتہٖ)

آنحضرتؑ کا اسمِ اصلی و نام اولی یہی ہے چنانچہ اخبار متواترہ خاصہ و عامہ میں ہے کہ حضرت رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ مہدی میرا ہم نام ہے خبر لوح میں آنحضرتؑ کا یہ نام بایں طریق ثبت ہے۔"**ابو القاسم محمد بن الحسن ھو حجۃ اللہ القائم**" لیکن یہ بات مخفی نہ رہے بمقتضائے اخبار کثیر و معتبرہ کے آنحضرتؑ کے ظہور موفور السرور تک یہ اسم مبارک مجالس و محافل میں لینا حرام ہے اور یہ حکم آنحضرتؑ کے خصائص میں سے ہے اور قدماء فقہاو متکلمین و محدثین امامیہ کے نزدیک مسلم ہے حتی کہ شیخ اقدم حسن بن موسٰی نوبختی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مذہب امامیہ کے خصائص میں سے ہے اور ان میں سے کسی ایک سے خلاف نقل نہیں ہوا خواجہ نصیر الدین طوسی کے عہد تک کہ آنمرحوم جواز کے قائل رہے ہیں انکے بعد سوائے صاحب کشف الغمہ کے کسی سے نقلِ خلاف نہیں ہوا۔ شیخ بہائی علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں یہ مسئلہِ نظری ہو گیا اور فضلاء کے درمیان محلِ تشاجر بن گیا۔ یہاں تک کہ اس مسئلہ کے بارے میں رسائل منفردہ تالیف ہوئے مانند شرعۃ التسمیہ کے جو کہ محقق داماد کا ہے اور رسالہ تحریم التسمیہ کے جو کہ سلمان ماخوریؒ کا اور کشف التعمیہ جو شیخنا الحر العاملی رضوان اللہ علیہ کا تالیف شدہ ہیں۔

۸) مہدی صلوٰۃ اللہ علیہ

جمیع فرق اسلامیہ کے نزدیک یہ لقب آنحضرتؑ کے اشھر اسماؤ القاب میں سے ہے۔

۹) منتظر (بفتح ظاء)

یعنی انتظار بزدہ شدہ کہ تمام خلقت آپکے مقدوم مبارک کی انتظار میں ہے۔

۱۰ ماء معین

یعنی آب ظاہر جو روئے زمین پر جاری ہو کمال الدین وغیبت شیخ میں حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا آیہ شریعہ **قل ارایتم ان اصبح ماء کم غوراً فمن یاتیکم بماء معین**"۔ بتاؤ کہ تمہارا پانی اگر زمین میں نیچے چلا جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے آب جاری کرے پس حضرت نے فرمایا! یہ آیہ مبارکہ قائم علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر تمہارا امام تم سے غائب ہو جائے اور تم نہ جانو کہ وہ کہاں ہے؟ پس کون ہے کہ تمہارے لئے امام ظاہر لے آئے جو کہ تمہارے لئے آسمان و زمین کی خبریں اور خداوند عزوجل کے حلال وحرام کو لے آئے۔ اُس وقت حضرت نے فرمایا کہ اس آیت کی تاویل نہیں آئی لابد اسکی تاویل آکے رہیگی۔ آنجناب کی آب سے مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے وجود مسعود کا ہر چیز کیلئے سبب حیات ہونا ظاہر ہے بلکہ ہر وہ حیات جو کہ کسی چیز کو اس وجود معظم کے سبب سے مل چکی ہے یا ملے گی۔ کئی مرتبہ اعلی واتم واشد وادوم ہے اس حیات سے جو کہ پانی سے حاصل ہو۔ بلکہ خود آب کی حیات بھی آنجناب کے وجود سے باقی ہے کتاب کمال الدین میں حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیہ شریفہ **اعلمو ان اللہ یحی الارض بعد موتھا** میں جو خداوند عزوجل نے فرمایا کہ تم جان لو کہ اللہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا امام علیہ السلام نے فرمایا خداوند مردہ زمین کو قائم علیہ السلام کے سبب سے زندہ کرے گا اور اسکا مردہ ہونا اہل کفر کے سبب سے ہوگا اور حقیقتاً کافر ہی مردہ ہے۔ آیہ مذکورہ کا مطلب بروایت شیخ طوسی علیہ الرحمۃ یہ ہے کہ۔ "خداوند عالم بقائم آل محمد زمین کی مردہ ہونے کے بعد اصلاح کرے گا" یعنی زمین اہل جور و جفا کیوجہ سے مردہ ہو چکی ہو گی بارھویں تاجدار امامت قائم علیہ السلام کی بدولت عدل و انصاف قائم ہونے کی وجہ سے دوبارہ زندہ ہو جائیگی اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ جب ایام ظہور میں لوگ اس سرچشمہ فیض ربانی سے بہ سہولت و آسانی مستفیض و مستفید ہونگے وہ مانند اس تشنہ شخص کے ہوں گے جو نہر جاری و خوشگوار کے کنارے موجود ہو تو وہ بغیر اعتراف کے نہ رہیگا۔ اس وجہ

سے آنجناب کو ماء معین سے ماسوم وتعبیر فرمایا گیا ہے اور ایام غیبت میں لطف خاص حق خلقت سے اُنکی بداعمالی وناشائستہ کردار سے اُٹھ چکا ہے نہایت رنج وتعب، عجز وتضرع سے آنجناب سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ مانند اس تشنہ آدمی کے جو چاہ عمیق سے تنہا ان آلات واسباب سے جو کہ بڑی دقت وزحمت سے دستیاب ہوتے ہوں پانی کھینچے اور آتش تشنگی بجھا سکے لہٰذا آنحضرت کو بئر معطلہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

پنج کرامتاں

یروی الشیخ فی امالیه عن عبدالله بن عباس قال سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم یقول اعطانی الله خمساً و اعطیٰ علیاً خمساً.

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ اپنڑی کتاب امالی وچ عبداللہ بن عباس کنوں روایت کریندا ہے جو پیغمبر سائیں نے فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے پنج کرامتیں میکوں عطا کیتیاں ہن اتے علیؑ مرتضیٰ کوں وی پنج کرامتاں عطا کیتین۔ اعطانی جوامع الکلم و اعطا علیاً جوامع العلم یعنی میکوں اللہ نے جوامع الکلم عنایت فرمایا اتے سرور اولیاؑ کو جوامع العلم دان کیتے۔ و جعلنی نبیاً و جعله وصیاً یعنی میکوں نبیؐ بنڑایا اتے علیؑ کوں میڈا وصی بنڑایا و اعطانی الکوثر و اعطاه السلسبیل میکوں چشمہ حوض کوثر دا بخشے اتے علی کوں نہر سلسبیل دا قبضہ ڈتا و اعطانی الوحی و اعطاه الالهام میڈے تے وحی نازل کیتی اتے علی کوں الہام دی فضیلت ڈتی و اسریٰ بی الیه و فتح له ابواب السماء والحجب حتیٰ نظر الّی و نظرتُ الیه میکوں اللہ نے عرش تے سڈیا اتے میڈے بھرا علیؑ تے دروازے آسمانیں دے کھول ڈتے، تھیا اے جو مظہر العجائب نے میکوں آندا تے ویندا ڈٹھا اتے میں وی انھاں کوں ڈٹھا قال ثم بکیٰ رسول الله فقلت ما یبکیک فداک ابی و امی جڈاں آپ سائیں ایہہ کلام ارشاد کر چکے تاں خیر الانامؐ بیتاب تھی کے رودن پئے گئے میں عرض کیتی میڈے ماں باپ جناب توں قربان ہوون جناب دے رونون دا کیا باعث ہے۔ اے تاں سرور و خوشی دا موقع تے محل ہے۔ فقال یا ابن عباس ان اول ما کلمنی به ربیّ قال یا محمدً انظر تحتک فنظرت الی الحجب قد انخرقت والی ابواب السماء قد انفتحت فرمایا اے ابن عباس پہلی کلام جو خدا میڈے نال کیتی ہے او گفتگو وی مبارک اتے بہوں راز و نیازی دی آہی ارشاد ہویا اے محمدؐ فرشِ

زمین دو نگاہ کریں جو نگاہ کیتی تاں عجائب قدرت نال حقیقت فضل و کرم سامنے آ گئی سارے حجاب درمیان دے ہٹ گئے آسمان دے ابواب کھل گئے تے پردے دوری دے پھٹ گئے۔ فنظرت الی علیؑ وھو رافع راسه، اے اللہ تعالیٰ نے میڈے نال کلام کیتی فکلمنی و کلمته و کلمنی ربی عزوجل. پس میں وی علیؑ مرتضیٰ کوں ڈٹھا جیہڑے سراتوں دو کر کے میڈو ڈیہدے پئے ہن۔ تاں ابن عم مکرم میڈے نال ہمکلام تھئین۔ اتے میں وی اوندے نال کلام کیتی اتے ساری حقیقت سنی ڈٹھی تے اونکوں بیان کر ڈتی۔ ابن عباس بیان کریندے میں پچھیا یا رسول اللہ بما کلمک ربک او کیڑھی کلام ہئی جو خالق نے آپ دے نال کیتی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ایزد تعالیٰ نے آکھے اے محمدؐ انی جعلت علیاً وصیک و وزیرک و خلیفتک من خلقی من بعدک فاعلمهٗ۔ یعنی میں اللہ نے علیؑ کوں تیڈا اوصی تے وزیر تے خلیفہ مقرر کیتا ہے تہاڈے بعد، پس علیؑ کوں جتڑ واڈے ساری مخلوق کنوں چنڑ کے اوندے اتے اس واسطے بھار امامت ڈتے کہ بعد تیڈے سرانجام ہدایت کرے درگاہ ربانی وچ میں عرض کیتی علیؑ تاں خود موجود کھڑن تیڈا فرمان بگوش خود سنڑدے پئے ہن تاں پس علیؑ کوں ارشاد الٰہی کنوں خبردار کیتا اتے آپ حضورِ پروردگار وچ متوجہ رہے فقال لی قد قبلت و اطعت یعنی مظہر العجائب گویا تھئے امر خدا کوں قبول کیتم اتے اطاعت معبود وچہ سر و جان و مال کوں وقف کیتم پس ربِ علا نے ملائکہ کوں حکم ڈتا کہ علیؑ تے تعظیمی سلام کرن سب مَلک نے تعظیم و تسلیم ادا کیتی اتے ولی اللہ نے فصاحت و بلاغت نال تمام ملائکہ کوں سلام دا جواب ڈتا۔ ورایت الملائکه یتباشرون تاں ڈٹھا میں نے کہ ہر ہک فرشتہ ہک بے کوں مبارکباد اتے بشارت پیا ڈیندا ہئی۔ پس جیڑھے ویلے میں واپس فرش زمین دو رخ کیتے تاں جیڑھے پاسوں ملائکہ دی صف توں میڈا گزر ہوندا ہا تاں تمام ملائکہ دوڑ کے شاد و خرم میڈے کول آ کے جانشینی امیر المومنینؑ تے تہنیت ادا کریندے آہن۔ وقالوا یا محمدؐ والذی بعثک بالحق نبیاً لقد دخل السرور علی جمیع الملائکة باستخلاف اللہ عزوجل لک ابن عمک اتے عرض کریندے آہن یا محمدؐ قسم ہے اللہ دی

جنہیں تیکوں نبوت بخشی ہے اساڈے دل کوں مسرت اتے خوشی ہے کہ خدا نے تہاڈے بھائی علیؑ کو خلعت خلاف بخشی ہے وروایت حمله العرش قد نکسوا رؤسهم الی الارض فقلت یا جبرائیل لم نکس حملة العرش رؤسهم فقال یا محمدؐ مامن ملک من الملائکة الاوقد نظر وجه علی بن ابیطالب استبشاراً به ماخلا حملة العرش فانهم یستاذنوا الله عزوجل فی هذہ الساعة فاذن لهم ان ینظروا الی علی ابن ابیطالب فنظرو الیه[۱]

دل میں عرش چاون آلے فرشتیاں کو ڈِٹھا جو اپنے سراں کوزمین دی طرف جھکائی کھڑے ہن میں جبرائیل توں پچھیا جو اے فرشتے زمین دد کیوں ڈِہدے پئے ہن۔ اوں جواب ڈِتا اے محمدؐ آسمان دے ہر فرشتے نے خوشی توں حضرت علیؑ دے چہرے کوں ڈِٹھا ہا سوائے اِنہاں فرشتیاں دے انہاں اللہ توں ہن اجازت منگی ہے تے اللہ فعالٰی نے انہاں کوں حضرت علیؑ دوڈیکھن دی اجازت ڈتی ہے لہذا اے ایں واسطے زمین دوڈہدے پئے ہن

[۱] ترجمہ از مولانا بشیر احمد

محسن الملت مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ

ایک تعارف

مولانا سید محسن نواب صاحب مجتہد ابن جناب سید احمد نواب رضوی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۱۱ء کو چاہ کنکر تھوی ٹولہ میں پیدا ہوئے۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں ان کے والد نے انتقال فرمایا۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے قریبی مدرسے ناظمیہ میں حاصل کی۔ اور ۱۹۲۳ء میں سلطان المدارس میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں صدرالافاضل پاس کیا۔ لکھنو سے درس خارج کیلئے عراق گئے اکابرِ عراق سے فیض اُٹھانے اور اجازے لینے کے بعد وطن واپس آئے۔ نجف اشرف وکربلا میں ان کی ذہانت وادبیت وعربیت کے بڑے شہرے ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو عراق سے واپس آئے اور مدرسہ ناصریہ جون پور کے پرنسپل بلکہ اس کے مجدد ہوئے۔ تعلیمی اداروں کو فروغ دینے کا خاص جذبہ تھا۔ جون پور سے مدرسہ عالیہ رام پور بلا لیے گئے اور نواب رضا علی خان نے مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کیا پھر سلطان المدارس میں مدرس معقولات ہوکر آئے۔ تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ ماہنامہ العلم اور الواعظ کی ادارات کی۔ طالب علمی سے آخر تک سینکڑوں مضمون اور مقالے لکھے۔ فارسی وعربی نظم ونثر میں کمال حاصل تھا۔ لکھنو اور نجف میں عربی کے ادباء ان کے گرویدہ رہے۔ مولانا محسن نواب صاحب بہت مقبول خطیب اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ برصغیر

میں ان کی خطابت کے شہرے تھے۔ حیدر آباد دکن سے کشمیر تک ان کا دورہ رہتا تھا۔ نفاست وفکر انگیزی ان کا خاصہ تھا۔ افسوس ہے کہ مولانا نے بہت کم زندگی پائی۔ کئی سال تک صاحبِ فراش رہے اور ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ ۲۶ اگست ۱۹۶۹ء روز سہ شنبہ لکھنؤ میں راہی جنت ہوئے اور اپنے بعد بہت کم سن بچوں کو یتیم چھوڑ گئے۔

اساتذہ لکھنؤ:

مولانا صغیر حسن صاحب۔ مولانا عالم حسین صاحب۔ مولانا عبدالحسین صاحب۔ مولانا سید ہادی صاحب۔ مولانا ابن حسن نونہروی صاحب۔ مولانا سید محمد صاحب۔ مولانا ظہور حسین صاحب۔ مولانا ناصر حسین صاحب۔

اساتذہ نجف:

علامہ شیخ عبدالحسین رشتی، آقای سید جواد تبریزی۔ آقای مرزا محمد حسین نائینی۔ آقای ابوالحسن اصفہانی۔ آقای سید ضیاالدین عراقی۔

تصانیف:

محسن انسانیت۔ زائرین قائم آل محمدؐ۔ خلاصہ عبقات۔ حدیث مدینہ (عربی جلد ۱)، الفرق بین المعجزہ والسحر (عربی)۔ غدیر سے کربلا تک

(ماخوذ از مطلع انوار)

اب ان کا مقالہ بعنوان "مذہب اثنا عشری۔ مجاہدہ حسینی کے زیر سایہ" پڑھیئے۔

مذہب اثنا عشری۔۔۔۔ مجاہدہ حسینی کے زیر سایہ

حضرت پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نبوت و رسالت ختم ہو چکی تھی آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو حرف آخر کا درجہ حاصل ہے۔ حالات زمانہ جتنی کروٹیں بدلیں انسانی عقل جس منزل ارتقا پر پہنچ جائے۔ شریعت اسلام کی جامعیت ہر دور اور ہر ماحول کو اپنی لپیٹ میں لئے ہے اس لئے کہہ دیا گیا: ''**حلال محمد حلال الیٰ یوم القیامۃ و حرام محمدؐ حرام الی یوم القیامتہ**'' ''محمدؐ نے جس کو حلال کیا ہے وہ قیامت تک کیلئے حلال ہے اور محمدؐ نے جس کو حرام کیا ہے وہ قیامت تک حرام ہے''۔

اب احکام دین میں کسی نظر ثانی کی احتیاج نہیں پیدا ہوگی جو اصول و کلیات طے کر دیئے گئے ہیں۔ پیدا ہونے والے تمام جزئیات اس کے اندر مندرج ہوتے جائیں گے۔ ضرورت تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کا لایا ہوا دین اور سکھائے ہوئے احکامِ شریعت اپنے اصلی روپ میں انسانوں کی آخری نسل تک دنیا میں محفوظ رہیں گے تاکہ خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوتی رہے اور ہدایت حاصل کرنے والوں کیلئے منارۂ ہدایت وارشاد اس طرح روشن رہے کہ بادِ مخالفت کا کوئی تیز و تند جھونکا اس کے بجھانے میں کامیاب نہ ہو۔ اس کیلئے خدائے حکیم و علیم نے جو طریقہ مناسب سمجھا۔ وہ یہ تھا کہ دین کی امانتوں کو ایسے ذمہ داروں کے حوالے کیا جائے جو بالکل اسی طرح قابلِ اعتماد و لائق وثوق ہوں جس طرح انبیاء اور مرسلین قابلِ وثوق تھے جن کی سیرت خود مستقل تبلیغ دین ہو۔ جن کا پاکیزہ کردار ہزاروں تبلیغوں کی تبلیغ ہو جن سے یہ اندیشہ نہ ہو

کہ وہ ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات سے دین کے ہیولے کو بدل دیں گے۔ یا اپنے اقتدار سے ناجائز فائدے حاصل کریں گے اور پھر ایسے ذمہ داروں کی طرف تمام مسلمانوں کو موڑ کر ان کی اطاعت سب پر لازم کر دی جائے سب ان کی بات مانیں۔ ان سے دینی تعلیمات حاصل کریں اور انھیں کو اپنے دین اور اپنی دُنیا دونوں کا حاکم مانیں چونکہ بغیر اس تدبیر کے دین کی بقا کا امکان نہ تھا اور صرف اسی صورت سے خدا کا منشا محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس لئے اس مسئلہ کو اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ قرار دیا گیا۔ یعنی اصول دین میں اس ایک اصل اصیل کا خدا کی جانب سے اضافہ فرمایا گیا اسی اصل کی تعبیر ''امامت'' کے لفظ سے کی جاتی ہے چونکہ اس ضابطہ کی رو سے سوائے ''انسان معصوم'' کے کسی اور کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بننے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے یہ عقیدہ تمام ان لوگوں کی تمناؤں پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے جو اقتدار کے بھوکے ہوں اور بنی نوع انسان کو اپنے استبداد کے شکنجوں میں گرفتار کرنے کے خواہش مند ہوں۔

غدیر کے اعلان نے یہ کھل کر بتا دیا کہ اب سے قیامت تک کسی کو انسانوں پر حکومت کا حق نہیں پہنچتا سوائے ان کے جو آج کے اعلان کے مطابق اس کے جائز حق دار ہوں۔ اگر زمانہ جاہلیت کی عربی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو اس بات کے بہت سے گواہ مل جائیں گے۔ کہ عربی قوم کو اپنی لاقانونیت اور بے نظمی کا احساس پیدا ہو چکا تھا اور کچھ لوگوں کے دلوں میں جذبہ حکمرانی کروٹیں بدل رہا تھا۔ عرب اس تیاری میں تھے کہ کسی کو اپنا سردار بنا کر اس کے سر پر تاج شاہی رکھ دیں بلکہ ایک تاج بھی بنا لیا گیا تھا ایک عربی حکومت قائم کرنے کا خواب تعبیر کی منزل سے بہت قریب ہو چکا تھا اور پھر منصب شاہی کیلئے کچھ اشخاص بھی نظر میں تھے اگر کچھ دنوں کیلئے اسلامی انقلاب اور نہ آتا تو سرزمین حجاز پر شاہی راج قائم ہو چکا ہوتا تو پھر اسلام کو اس سے ٹکر لینا پڑتی اسلامی نعرہ نے ان تمام آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا اسلامی انقلاب کا ساتھ دے کر اس مقصد کو حاصل کرنے کی سکیم بھی فوراً بن گئی مگر اس خیال کو اس دن مجبوراً زبردست جھٹکا برداشت کرنا پڑا جب نبی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''**من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ**'' کہہ کر خدائی

راج کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ اور یوں اسلام کے نام پر عربی حکومت قائم کرنے کی تمنا رکھنے والوں کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ خدائی راج کوئی بادشاہت نہ تھی جس طرح بادشاہتیں دنیا میں برابر قائم ہوتی رہیں۔ اصل میں ایک ایسے دستور کو نافذ کرنا تھا جو خود بندوں کے خالق نے اپنے بندوں کیلئے تجویز فرمایا تھا'' خدائی راج میں حکومت کرنے کیلئے جن اشخاص کو حق دیا جا رہا تھا ان کیلئے شرائط بالکل انوکھے قسم کے تھے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ میں اس وقت تک نہیں پائی گئی تھی خدائی راج کے حکام میں ایسے معیاری اوصاف ضروری قرار دیئے گئے تھے جو عام طور پر کسی انسان کو بادشاہت کیلئے منتخب کرتے وقت نہیں دیکھے جاتے اس راج میں منصب حکومت پر فائز ہونے والوں کو دنیاوی قسم کی کوئی شاہی نہیں ملتی تھی۔ بلکہ عہدہ نام تھا کچھ سنگین قسم کی ذمہ داریوں کا کچھ قربانیوں کا جو اگر کوہ ہمالیہ پر بار کر دی جائیں تو وہ بھی اپنی جگہ پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ایسی زاہدانہ اور خشک حکومت کسے پسند آئے گی جس میں حاکمِ دنیاوی وہ ہو جو دین خدا کا حقیقی پاسبان ہے جو ان تمام احکام الٰہی پر پہلے خود عمل کر لیتا ہے جس کی طرف وہ دوسرے انسانوں کو بلانا چاہتا ہے جس کے دور حکومت میں بے جا رعایت، منہ بھرائی اور لقمہ ہائے تر سے کام و دہن کی ضیافت کا امکان نہ ہو پھر جبکہ کسی کے ذوق اقتدار پسندی کی تسکین کا بھی کوئی سامان اس حکومت میں نظر نہ آئے۔ اور طرۂ امتیاز ''ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم'' کے پیش نظر محض ایمان اور تقویٰ ہو۔۔۔ خدا سے ڈرنے والوں اور اس پر ایمان رکھنے والوں کی قدر و منزلت ہونا چاہیے۔ وہ ترک ویلم یا حبش و زنجبار سے آئے ہوئے زرخرید غلام ہوں۔ خدا پر ایمان نہ لانے والوں اس کی نافرمانیاں کرنے والوں کو ذلیل و حقیر سمجھا جائے۔ چاہے وہ اعراب کے ممتاز قبائل کے روساء ہوں ایسی حکومت جس میں حاکم اور بادشاہ اس اندیشہ سے پیٹ بھر کھانا نہ کھائے کہ شاید ملک کے کسی گوشے میں کوئی ایسا نادار پڑا ہو جس کو اپنا پیٹ بھرنے کیلئے ایک لقمۂ نان بھی میسر نہ ہو۔ جس کو رعیت کے دُکھ درد میں برابر کی شرکت کئے بغیر آرام سکون ہی نہ حاصل ہو سکے۔ ایک کش مکش رسولؐ اللہ کی حیات ہی میں اسی بات سے پیدا ہو چکی تھی جب سے آپ نے اس طرح کے کسی راج کی طرف واضح اشارات

شروع کر دیئے تھے یہ کشمکش اپنے شباب پر اس دن آ گئی جب کھل کر آپ نے اس کا اعلان فرما دیا۔ خدا اور اس کے رسول کو معلوم تھا۔ جمہور کے رجحانات کیا ہیں اور اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے لوگ کس قسم کے فوائد حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ ''حکومت ارض'' کے لیے ایک جماعت اپنے عزائم کو بروئے کار لا کر خدائی راج کو روئے زمین پر ہرگز قائم نہ ہونے دے گی۔ جب کہ الٰہی حکومت قائم کرنے کیلئے خدا کی طرف سے کسی قاہرانہ طاقت کے صرف کرنے کا امکان بھی نہ تھا کیوں کہ زبردستی کوئی حکومت عوام کے سر منڈھنے سے اصلی مقصد نہیں حاصل ہو سکتا تھا اور اسی لئے بہت پہلے ''**لا کراہ فی الدین**' دینی معاملات میں زبردستی نہیں ہے کہہ دیا گیا تھا خدا کا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم نے تم کو تمہاری بھلائی اور برائی دونوں کے راستے دکھلا دیئے اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم کیا چاہتے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام تم اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے اس راستہ پر چلو، جو اچھائی کا راستہ ہے اور جس پر ہم تم کو چلانا چاہتے ہیں۔ مثلاً خدا نے ہم پر نماز واجب کر دی ہے اسے مطلوب و محبوب ہے کہ ہم اپنی خوشی سے نماز پڑھا کریں لیکن یہ نہ ہوگا کہ اوقات نماز میں ہمارے اعضا میں تشنج ہونے لگے اور زبردستی ہم اُٹھ کھڑے ہوں اور نماز پڑھنے لگیں ایسی اطاعت اس کو ہرگز نہیں مطلوب ہے اس نے تو ہم کو ہمارے ارادوں اور ہمارے اختیارات پر مطلق العنان چھوڑ کر ہم سے طاعات کا مطالبہ فرمایا ہے لہٰذا اسی موقع پر بھی اس نے یہی چاہا کہ اعلان حق کر کے خاموشی اختیار کر لی جائے اور پھر حالات جو کروٹیں بدلیں ہوا جو رُخ اختیار کرے اسے دیکھ کر جس وقت جیسا اقدام مناسب اور ضروری ہے کیا جائے کہ دینی امانتیں برباد ہونے سے محفوظ رہیں اس اعلان حق کا ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اسے بگوش دل سن کر اسے واقعاً تسلیم کر لیا ان کی عاقبت سُدھر گئی انہیں اسلام کے صحیح تعلیمات مل سکے انہوں نے ربانی نمائندوں کو اپنا قبلہ حاجات بنا کر دین خدا کا سیدھا راستہ پا لیا اور یوں خدا کا منشا اس جماعت کے افراد میں محفوظ رہ سکا۔

حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین کو خدا کی نظر انتخاب اپنے مقاصد کیلئے چن چکی تھی

کیوں کہ ان میں وہ سب اوصاف موجود تھے جن کی شریعت کے پاسبانوں میں ضرورت تھی چنانچہ ان کی اطاعت فرض کی گئی ان کی محبت واجب کی گئی۔قرآن و حدیث دونوں نے یک زبان ہو کر اس مسئلہ میں بہت کچھ کہا جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہ گئی۔پیغمبر خدا دنیا سے رخصت ہو گئے ان کے بعد وہی ہوا جو حالات کا تقاضہ تھا اور جس کے آثار آپؐ کی حیات میں رونما ہو چکے تھے اور جس کی پیش بندیاں آپ نے اس وقت بھی ملاحظہ فرمائی تھیں جب آپ بستر مرض پر کروٹیں بدل رہے تھے اب خدائی راج پر ایمان رکھنے والوں پر عرصہ حیات تنگ تھا ان کی ایک جماعت پر ارتداد کی فرد جرم لگا دی گئی اور اس کے بعد اس کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں یہ دور انتہائی پُر آشوب اور نازک تھا تقیہ کی آڑ میں کچھ اہل ایمان اپنے سینوں میں اسرار دیانت چھپائے ہوئے ناسازگار حالات کا مقابلہ کر رہے تھے ایسے پُر پیچ حالات تھے کہ امیر المومنینؑ کیلئے طاقت کا استعمال بھی ممکن نہ تھا علی الاعلان مقابلہ بجائے کسی فائدہ کے دین کی بیخ کنی کا سبب بن جاتا اس وقت جو کچھ سوال تھا وہ یہ کہ کسی طرح ایمانی اقلیت کو زندہ رکھا جائے کسی طرح ان کی مردم شماری میں اضافہ کیا جائے کہ وہ آگے چل کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ایک موقع ضرور ایسا آیا کہ اکثریت کا خوف و ہراس کچھ کم ہوا اور وہ وقت وہ تھا جب خدائی نمائندے کو عام مسلمانوں نے اپنے طریقے پر حاکم تسلیم کر لیا جناب امیر المومنینؑ نے اس صورت کو قبول و اختیار فرما کر منصوص من اللہ حاکم کی حیثیت کو بہت مضبوط کر دیا۔آپ کو بین الفریقین مسلمیت حاصل ہوئی جس سے تاریخ اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا مگر اہل حق کی قلت مخالفین کی کثرت اور حالت کی ناسازگاری آپ کو اس کا موقع نہیں دے رہی تھی کہ آپ کھل کر وہ سب کچھ کہہ سکیں جس کی آپ کی نظر میں ضرورت تھی گذشتہ ادوار میں شریعت اور دین کو جس منزل پر پہنچا دیا گیا تھا اس کو وہاں سے ہٹا کر پھر اس کے صحیح مرکز پر لانا امیر المومنینؑ کے لیے پورے طور پر ممکن نہ ہو سکا اس کے باوجود حضرت جتنا موقع پاتے جاتے تھے جو کرنا چاہتے تھے کرتے رہتے تھے آپؑ نے اپنی مجبوریوں کو ایک دن خواص بنی ہاشم اور ایک جماعت کے سامنے بیان بھی فرمایا تھا اس

بیان کے ایک حصہ کا ترجمہ اس وقت لکھا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں۔ ”میرے پہلے جو حکام گذرے ہیں انہوں نے بہت سے اقدامات کئے جن میں انہوں نے جان بوجھ کر رسولؐ اللہ کی مخالفت کی ہے اور آپ کے عہد کو توڑا ہے آپ کی سنت کو بدل دیا ہے اگر میں لوگوں کو ان اُمور کے ترک کرنے پر آمادہ کروں اور سب معاملات کو پلٹا کر اسی منزل پر لے جاؤں جو ان کی اصلی جگہ ہے اور جس طرح وہ عہد جناب رسالت مآب میں تھے تو میرا لشکر میرا ساتھ چھوڑ دے گا اور میں تنہا رہ جاؤں گا۔ یا میرے ساتھ تھوڑے سے وہ شیعہ رہ جائیں گے جو میری فضیلت کے عارف ہیں اور جو میری امامت کے لازمی ہونے کو کتاب خدا اور سنت رسول اللہ کے ذریعہ جان چکے ہیں تمہارا کیا خیال ہے ؟ اگر میں مقام ابراہیمؑ کو حکم دے کر اُسے خانہ کعبہ میں اُسی جگہ پلٹا دوں جہاں پر رسولؐ اللہ نے رکھا تھا اور اگر میں فدک کو فاطمہؑ کے ورثاء کے حوالہ کر دوں وہ جاگیریں جو رسولؐ خدا نے کچھ لوگوں کو عنایت فرمائی تھیں اسی طرح بحال کر دوں تو یہ اُمور اسی طرح رہ سکیں گے؟ نہیں یہ امور نافذ نہ ہوسکیں گے اس کے بعد حضرت نے ایک طویل فہرست ان امور کی ذکر کی جو خدا اور رسولؐ کے منشا کے خلاف رائج کئے گئے تھے اس کے بعد آپؑ نے فرمایا اگر میں ان سب باتوں کی اصلاح کرتا ہوں تو سب کے سب مجھ کو چھوڑ دیں گے جس کی وجہ سے دین الٰہی کو دوسری حیثیتوں سے ضرر پہنچ جائے گا وہ ضرر زیادہ عظیم ہوگا“۔ یہ تھا امیر المومنینؑ کے عہد کا ماحول امام حسنؑ پر جو گذری وہ بھی آپ جانتے ہی ہیں حضرتؑ کو مجبوراً حاکم شام سے مصالحت کر لینا پڑی آپ کو بھی عام مسلمانوں نے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اس لیے آپ کے ہمراہ بھی آپ کے پدر گرامی قدر کی طرح مخلوط مجمع تھا۔ دو مختلف الخیال فرقوں کے مسلمان آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کر رہے تھے اکثریت آپ کو خلیفہ پنجم کہتی تھی اور ایک بالکل چھوٹی سی اقلیت آپ کو دوسرا منصوص من اللہ امام مان کر آپ کی اطاعت کو واجب سمجھ رہی تھی۔ آپ کو اپنے ہمراہیوں کی بے وفائی سے مجبور ہو کر اور بعض دیگر مصالح پر نظر فرما کر مصالحت کرنا پڑی اور یوں تو آپ نے مومنین کے ان چند نفوس کی جانوں کو بھی محفوظ فرما لیا جو آپ کے ساتھ تھے۔

آپؑ کے بعد امام حسینؑ کا زمانہ آیا آپ منصوص من اللہ تیسرے امام تھے اور امام حسنؑ نے آپ کے متعلق وصیت فرمائی تھی اور سب سے پہلے رسول اللہ بھی آپ کی امامت کا اعلان کر چکے تھے آپ کی ذات گرامی کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ عامتہ المسلمین نے آپ کی خلافت و امامت کو تسلیم نہیں کیا معاویہ کے نصب کئے ہوئے حاکم یزید بن معاویہ کی خلافت کے قائل ہو گئے آپ سے سوال بیعت ہوا اور اب اس کا موقعہ تھا کہ دو مختلف الخیال جماعتوں میں کھل کر ٹکر ہو جائے امام حسینؑ نمائندگی کر رہے تھے ''خدائی راج'' کی اور یزید تھا اس پرانے خیال کا جس کے ماتحت ایک عربی حکومت قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اور پھر لطف کہ اس حکومت و بادشاہت کو خلافت رسولؐ کا نام دے دیا گیا اور اس حکومت کو تسلیم کرنا عام مسلمانوں نے اپنے مذہب کا حصہ مان لیا تھا اور وہ بھی اس حد تک کہ اگر ایک رات کوئی اس حالت میں گزارے کہ اس کی گردن میں کسی کا قلادہ بیعت نہ ہو اور اسے موت آ جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ امام حسینؑ کے ہمراہ کوئی مخلوط مجمع نہ تھا جیسا کہ ان کے بھائی کے ساتھ تھا امام حسینؑ کا ساتھ دینا وہی جماعت اپنے لئے واجب سمجھ سکتی ہے جو ان کو اپنا مفترض الطاعتہ امام جانتی ہو ورنہ عامتہ المسلمین تو اپنے خلیفہ وقت کی اطاعت واجب جانتے ہیں اور ان کی نظر میں حضرتؑ کو یہ حیثیت حاصل نہیں تھی اس لیے رفتہ رفتہ اہل اسلام کی پوری اکثریت یزید کے ساتھ ہو گئی تھی اور امامؑ کے ساتھ ایک چھوٹی سی اقلیت تھی جو آپ کو تیسرا امام مانتی تھی۔

تاریخ طبری میں امام حسینؑ کا ایک خط محفوظ ہے جو آپ نے جناب مسلم بن عقیل کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا۔ اہل کوفہ کے نام اس میں آپ نے ان تمام خطوط کا خلاصہ درج فرما دیا ہے جو آپ کو اہل کوفہ نے بلانے کے سلسلہ میں لکھے تھے اس کے دیکھنے کے بعد آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ عام مسلمانوں کا آپ کی طرف سے کیا خیال تھا اور یہ کہ ابھی وہ آپؑ کو اپنا امام نہیں مان رہے تھے اور خط سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ بلانے والے عام طور سے کس خیال کے تھے طبری جلد ۱ جزو ۲ ۲۳۵ طبع جرمن پر آپ کو حضرتؑ کا یہ خط حسب ذیل الفاظ میں ملے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔یہ خط ہے حسینؑ ابن علی کی جانب سے جماعت مومنین اور مسلمین کے نام۔۔۔۔ یہ تھا خط کا عنوان اس میں حضرتؑ نے دو الگ الگ لفظیں استعمال کی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کے مخاطب دو طرح کے لوگ ہیں کچھ کو آپ مومنین فرمارہے اور کچھ کو مسلمین اس خط میں آپ فرماتے ہیں ''**و مقالة جلكم انه ليس علينا امام فا قبل لعل الله يجمعنا بك على الهدى والحق**'' اور تقریباً تم سب کا کہنا یہ ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے لہذا آپ تشریف لائیے شاید اللہ ہم کو آپ کی وجہ سے ہدایت اور حق پر لگا دے۔ پہلے تو یہ دیکھئے کہ حضرتؑ نے یہ نہیں تحریر فرمایا کہ تم سب یہی کہتے ہو بلکہ فرمایا تقریباً تم سب نہیں بلکہ قریب قریب سب یہ کہہ رہے ہیں کہ ''ہمارا کوئی امام نہیں ہے'' کیا اس سے یہ بات نہیں سمجھ میں آتی کہ خط لکھنے والوں کی اکثریت ان لوگوں کی تھی جو حضرت کو ابھی تک اپنا امام نہیں سمجھ رہے تھے اور جب وہ آپؑ کو اپنا امام نہیں جانتے تھے تو پھر ان کو شیعہ تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو اس لئے بلا رہے تھے کہ آپؑ کی بیعت کر کے آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کر لیں یعنی یہ لکھنے والے وہ تھے جو یہ سمجھ رہے تھے کہ جب تک ہم خود کسی کو اپنا پیشوا نہ بنائیں وہ ہمارا پیشوا نہیں ہو سکتا اور ان کے خطوط کا ایک جملہ یہ بھی قابل توجہ ہے وہ کہتے ہیں کہ شاید اللہ ہم کو آپؑ کی وجہ سے ہدایت اور حق پر لگا دے شاید کا لفظ احتمال کے موقعہ پر بولا جاتا ہے یعنی انہیں پورا اعتماد نہ تھا کہ ہم فرزند رسولؐ کے ذریعہ سے حق اور ہدایت کے راستہ پر جمع ہو جائیں گے بلکہ ایک موہوم قسم کا خیال تھا آپ انصاف فرمائیں کیا ایسے لوگ شیعہ کہے جانے کے مستحق و سزاوار ہو سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں یہ بھی اسی خط سے واضح ہو جاتا ہے کہ خط لکھنے والوں میں ایک بہت مختصر سی جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جس نے آپؑ کو یہ لفظیں نہیں لکھی تھیں۔ کیوں کہ آپ نے تقریباً سب کہہ کر کچھ افراد کو اس عبارت سے مستثنیٰ فرما دیا ہے۔ اسی خط کے آخر میں حضرتؑ نے ان لوگوں کی ایک غلط فہمی کو زائل کرتے ہوئے امامت کے اس صحیح موقف کو بھی پیش فرمایا جس کے آپؑ اور آپ کے گھر والے قائل تھے آپ فرماتے ہیں'' **فلعمری ما الامام الا العامل**

بالکتاب وا لآخذ بالقسط و الدائن بالحق و الحا بس نفسه علی ذات اللہ"

"میری جان کی قسم امام صرف وہی ہے جو کتاب خدا پر عامل ہو۔ عدل گستری اختیار کئے ہوئے ہو۔ دین حق رکھتا ہو۔ اور اپنی ذات کو صرف خدا ہی کیلئے روکے ہوئے ہو یعنی اس کا کوئی قول و فعل منشاء جناب باری کے خلاف نہ ہو"۔ امام نے کس حسن سے ان مختصر الفاظ میں امامت کے اس عقیدہ کو پیش کر دیا ہے جس کے شیعہ قائل ہیں۔ حضرتؑ کے ارشاد فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ امامؑ تمہارے بنانے سے نہیں بنتا بلکہ خدا کی جانب سے امامت کا حق اس کو حاصل ہوتا ہے جو مذکورہ اوصاف رکھتا ہو اب آپ غور فرمائیے کہ جو اوصاف حضرتؑ نے بیان فرمائے ہیں وہ سوائے معصومؑ شخصیت کے اور کس پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً کہ کلمہ "**الحا بس نفسه علی ذات اللہ**" یعنی جو اپنی ذات کو صرف اللہ کے لئے وقف کئے ہوئے ہو"۔

واقعہ کربلا کی مثال ایک بیش قیمت ہیرے کی سی ہے جو اس طرح تراشا گیا ہو کہ اس میں صد ہا پہلو پیدا ہو گئے ہوں اس کے جس رُخ کو نظر کے سامنے لایا جائے وہ اپنی تڑپ سے دیکھنے والوں کی نگاہ میں خیرگی پیدا کر دے۔ واقعہ کربلا اپنی جامعیت کے لحاظ سے بے شک بہت سی اخلاقی اور مذہبی تعلیمات اور اجتماعی درسیات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس واقعہ کو ہر عنوان کے لحاظ سے موضوع کلام بنایا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی مجھے یہ عرض کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ لوگ اس کے ظاہری اور عمومی پہلوؤں کو دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اس لئے واقعہ کربلا کے فوائد گنواتے وقت صرف ایسی چیزوں کو پیش کرتے ہیں جو بالکل ضمنی ہیں اور واقعہ کے صدہا ظاہری شعبوں میں سے کسی شعبہ سے متعلق ہیں۔ اور اس کے اصل اور بنیادی مقصد کو بالکل فراموش کر جاتے ہیں۔ واقعہ کربلا کا ہدف ایک ایسا جامع مقصد تھا جو ان تمام جزئی اور فروعی مقاصد سے بہت بالاتر ہے جنہیں عام نگاہیں اصلی مطمع نظر بنا کر دکھانا چاہتی ہیں۔ چونکہ یہ ایک حقیقت ہے اس لئے مجھے اس کے ظاہر کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کہ امام حسینؑ کے اقدام اور ان کی قربانی کا سب سے بڑا اور اہم بلکہ بنیادی اور اصلی فائدہ یہ تھا کہ مذہب اثناء عشری جو خدا کی امانت تھا، عالم میں باقی رہ جائے اور اب قیام قیامت تک کوئی زبردست سے زبردست جھٹکا

آپ ذرا غور سے پڑھیں اور پھر آپ بتائیں کہ ہم نے واقعہ کربلا کے جس اہم بنیادی فائدہ کا ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ عقیدہ امامت ہم آغوش فنا ہو جاتا یعنی اس کے ماننے والوں میں ایک بھی زندہ نہ بچ سکتا اگر امام کی قربانی نہ ہوتی ۔ اور اس عقیدہ کے فنا ہونے کے بعد دین الٰہی کی امانت نذر حوادث ہو جاتی۔ کربلا سے پہلے بھی شیعہ تھے مگر انگلیوں پر گنے جانے کے قابل۔۔۔حد ہوگئی کہ امام کا ساتھ دینے کے لئے لوگ اٹھتے ہیں ان کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچی اور بعد میں آ کر ملنے والوں اور قدیم ساتھیوں سب کو ملا کر بھی کسی طرح سوا سو کی گنتی پوری ہو جائے تو بہت ہے۔۔۔کربلا سے پہلے شیعوں کے ساتھ کیا ہو رہا تھا وہ کس خوف و ہراس میں زندگی گزار رہے تھے ان کے سر بر آوردہ کس طرح چن چن کر موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے۔ پیشوایان دین کو اعلانیہ مسلمانوں کے منبروں پر کس طرح سب وشتم کے ساتھ یاد کیا جا رہا تھا شیعوں کی حالت اسی طرح کی بتائی جا رہی تھی جیسے اگلے دور کے ہندوستان میں اچھوتوں اور پست اقوام کی تھی ۔محبت اہل بیتؑ ایک نا قابل معافی جرم تھا جس کی پاداش تذلیل و اسیری یا قتل و غارت تھی بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کربلا سے پہلے شیعہ عام مسلمانوں میں منسلک تھے وہ تھے تو شیعہ مگر ان کو اپنے تیئں کھل کر شیعہ کہنے اور کہلوانے کا موقعہ نہ تھا۔ حالات کا دباؤ انہیں مجبور کرتا تھا کہ وہ اپنے دل کی چنگاریوں کو دل ہی دل میں چھپائے رہیں۔ بہت سے باپ اس حالت میں عالم سے اُٹھ گئے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنا مذہب نہ بتا سکے اگر ہمیشہ یہی بڑا دائرہ باقی رہتا تو چند دن میں ایک شیعہ بھی باقی نہ رہ جاتا ضرورت تھی کہ شیعوں کا مذہب الگ ہو کر دوسرے مذہب کے بالکل مقابل کھل کر آزاد فضاؤں میں سانس لے سکے۔ اور اپنی زندگی کو باقی رکھنے کا سامان کرے بڑے دائرہ سے الگ کر کے ایک چھوٹا دائرہ بنایا جائے اور لوگ اب یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا فرقہ بھی وجود رکھتا ہے جو اعلان غدیر کی بنیاد پر صرف منصوص من اللہ حاکم کو اپنا حاکم اصلی جانتا ہے اور اپنے جملہ مذہبی تعلیمات میں وہ ان لوگوں کے دروازے کے سوا کسی اور ڈیوڑھی پر نہیں ہاتھ پھیلانا چاہتا۔ عاشورہ محرم ٦١ ھ تاریخ کا وہ پہلا دن تھا جب ایک منصوص من اللہ امام نے اپنے ماننے والوں پر اس طرح حکومت کر کے دکھائی جس کا حق اس کو اللہ اور رسول کی جانب سے عنایت ہو

اتھا۔ عاشورہ محرم ۶۱ ھ کو پہلے پہل اجتماعی طور پر شیعوں نے اپنے امامؑ کی قیادت میں اپنے چہروں پر سے تقیہ کی نقاب ہٹا کر اپنے کو بحیثیت ایک اثنائے عشری کے پیش کر کے اپنے مذہب پر بقائے دوام کی مہر ثبت کر دی۔ کربلا میں کھل کر اپنے عقائد کا صاف صاف اعلان کیا گویا ۱۰ محرم ۶۱ کی تاریخ صدائے بازگشت تھی ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کی۔ شجرہ تشیع شہدائے کربلا کے پاکیزہ خون سے سینچا گیا۔ اور پھر اس میں نمو کی وہ بے پناہ طاقت آ گئی کہ خوب خوب پھلا پھولا۔۔۔ دوسو برس تک آٹھ اماموں کو دنیا میں رہ کر اس مذہب کے اصول و فروع کو عام کرنے کا موقعہ ملا۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ۔۔۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو اپنے آباؤ اجداد کے احادیث اور انکے علوم و اسرار کو نشر کرنے کا زریں موقعہ ملا۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ دوسو برس میں شیعوں کی مردم شماری میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ آئمہ طاہرین بیعت کے قربانی طلب سوال سے بالکل محفوظ رہے۔۔۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ آج تک عالم میں دین الٰہی کے صحیح خدو خال محفوظ رہے۔۔۔۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ آج بحمد اللہ عالم کے گوشہ گوشہ میں دین صحیح رکھنے والے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں نفوس موجود ہیں جو پورے فخر اور ناز کے ساتھ اپنے کو اثنا عشری کہتے ہیں یہ دن دیکھنا کیسے نصیب ہوا۔

لہذا کھل کر کہیے۔ مذہب اثنا عشری دنیا میں نہ ہوتا، اگر مجاہدہ کربلا نہ ہوتا۔۔۔۔ اور یہی اس جماعت کا سب سے زیادہ عظیم مقصد تھا۔ امام حسینؑ علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ فتح کس کو نصیب ہوئی؟ یزید کی جو اس مذہب کو مٹانا چاہتا تھا۔ یا امام حسینؑ علیہ السلام کی جو اس مذہب کو دوام کا خلعت پہنانا چاہتے تھے۔

بے شک حسینؑ جیتے اور یزید ہارا

آخری مقابلہ حسینؑ کے پوتے امامِ عصرؑ کے نام لکھا گیا ہے۔ جو اس وقت غائب ہیں۔ اور انشااللہ جلد تشریف لا کر پورے عالم کو عدل و داد سے معمور فرمائیں گے۔ آپؑ کے عصر میں صرف ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہوگا۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اپنے بیٹے امام حسنؑ کے نام وصیت سے اقتباس

یہ وصیت ہے اُس باپ کی جو فنا ہونے والا، اور زمانہ (کی چیرہ دستیوں) کا اقرار کرنے والا ہے، جس کی عمر پیٹھ پھرائے ہوئے ہے۔ اور جو زمانہ کی سختیوں سے لاچار ہے اور دُنیا کی بُرائیوں کو محسوس کر چُکا ہے، اور مرنے والوں کے گھروں میں مقیم اور کل یہاں سے رخت سفر باندھ لینے والا ہے۔ اس بیٹے کے نام جو نہ ملنے والی بات کا آرزومند، جادۂ عدم کا راہ سپار، بیماریوں کا ہدف، زمانہ کے ہاتھ گِروی مصیبتوں کا نشانہ، دُنیا کا پابند، اور اُس کی فریب کاریوں کا تاجر، مَوت کا قرضدار، اجل کا قیدی، غموں کا حلیف، حزن و ملال کا ساتھی، آفتوں میں مُبتلا، نفس سے عاجز اور مرنے والوں کا جانشین ہے

بعدہ، تمھیں معلوم ہونا چاہیے، کہ میں نے دُنیا کی رُوگردانی زمانہ کی مُنہ زوری اور آخرت کی پیش قدمی سے جو حقیقت پہچانی ہے وہ اِس امر کے لیے کافی ہے کہ مجھے دُوسرے تذکروں اور اپنی فکر کے علاوہ دُوسری کوئی فکر نہ ہو مگر اسی وقت جبکہ دُوسروں کے فکر و اندیشہ کو چھوڑ کر میں اپنی ہی دُھن میں کھویا ہوا تھا اور میری عقل و بصیرت نے مجھے خواہشوں سے منحرف و رُوگردان کر دیا اور میرا مُعاملہ کُھل کر میرے سامنے آگیا، اور مجھے واقعی حقیقت اور بے لاگ صداقت تک پہنچا دیا۔

مَیں نے دیکھا کہ تم میرا ہی ایک ٹکڑا ہو، بلکہ جو میں ہوں، وُہی تم ہو، یہاں تک کہ اگر تم پر کوئی آفت آئے تو گویا مُجھ پر آئی ہے اور تمھیں موت آئے تو گویا مجھ آئی ہے۔ اِس سے مجھے تمہارا اُتنا ہی خیال ہُوا، جتنا اپنا ہو سکتا ہے، لہٰذا میں نے یہ وصیت نامہ تمہاری رہنمائی میں اسے معین سمجھتے ہُوئے تحریر کیا ہے خواہ اس کے بعد میں زندہ رہوں یا دُنیا سے اُٹھ جاؤں۔

میں تمھیں وصیّت کرتا ہُوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اس کے احکام کی پابندی کرنا، اُس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا، اور اُسی کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، تمھارے اور اللہ کے درمیان جو رشتہ ہے اس سے زیادہ مضبوط رشتہ ہو بھی کیا سکتا ہے؟ بشرطیکہ مضبوطی سے اُسے تھامے رہو، وعظ و پند سے دل کو زندہ رکھنا، اور زُہد سے اُس کی خواہشوں کو مُردہ۔ یقین سے

اٹھا۔ عاشورہ محرم ۶۱ ھ کو پہلے پہل اجتماعی طور پر شیعوں نے اپنے امامؑ کی قیادت میں اپنے چہروں پر سے تقیہ کی نقاب ہٹا کر اپنے کو بحثیت ایک اثنائے عشری کے پیش کر کے اپنے مذہب پر بقائے دوام کی مہر ثبت کر دی۔ کربلا میں کھل کر اپنے عقائد کا صاف صاف اعلان کیا گویا ۱۰ محرم ۶۱ کی تاریخ صدائے بازگشت تھی ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ھ کی۔ شجرہ تشیع شہدائے کربلا کے پاکیزہ خون سے سینچا گیا۔ اور پھر اس میں نمو کی وہ بے پناہ طاقت آ گئی کہ خوب خوب پھلا پھولا۔۔۔ دو سو برس تک آٹھ اماموں کو دنیا میں رہ کر اس مذہب کے اصول و فروع کو عام کرنے کا موقعہ ملا۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ۔۔۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو اپنے آباؤ اجداد کے احادیث اور انکے علوم و اسرار کو نشر کرنے کا زریں موقعہ ملا۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ دو سو برس میں شیعوں کی مردم شماری میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ آئمہ طاہرین بیعت کے قربانی طلب سوال سے بالکل محفوظ رہے۔۔۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ آج تک عالم میں دین الٰہی کے صحیح خدوخال محفوظ رہے۔۔۔۔ واقعہ کربلا کے زیر سایہ آج بحمد اللہ عالم کے گوشہ گوشہ میں دین صحیح رکھنے والے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں نفوس موجود ہیں جو پورے فخر اور ناز کے ساتھ اپنے کو اثنا عشری کہتے ہیں یہ دن دیکھنا کیسے نصیب ہوا۔

لہذا کھل کر کہیے۔ مذہب اثنا عشری دنیا میں نہ ہوتا، اگر مجاہدہ کربلا نہ ہوتا۔۔۔ اور یہی اس جماعت کا سب سے زیادہ عظیم مقصد تھا۔ امام حسینؑ علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ فتح کس کو نصیب ہوئی؟ یزید کی جو اس مذہب کو مٹانا چاہتا تھا۔ یا امام حسینؑ علیہ السلام کی جو اس مذہب کو دوام کا خلعت پہنانا چاہتے تھے۔

بے شک حسینؑ جیتے اور یزید ہارا

آخری مقابلہ حسینؑ کے پوتے امامِ عصرؑ کے نام لکھا گیا ہے۔ جو اس وقت غائب ہیں۔ اور انشاءاللہ جلد تشریف لا کر پورے عالم کو عدل و داد سے معمور فرمائیں گے۔ آپؑ کے عصر میں صرف ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہوگا۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اپنے بیٹے امام حسنؑ کے نام وصیت سے اقتباس

یہ وصیت ہے اُس باپ کی جو فنا ہونے والا، اور زمانہ (کی چیرہ دستیوں) کا اقرار کرنے والا ہے، جس کی عمر پیٹھ پھرائے ہوئے ہے۔ اور جو زمانہ کی سختیوں سے لاچار ہے اور دُنیا کی بُرائیوں کو محسوس کر چُکا ہے، اور مرنے والوں کے گھروں میں مقیم اور کل یہاں سے رخت سفر باندھ لینے والا ہے۔ اس بیٹے کے نام جو نہ ملنے والی بات کا آرزومند، جادۂ عدم کا راہ سپار، بیماریوں کا ہدف، زمانہ کے ہاتھ گِروی مصیبتوں کا نشانہ، دُنیا کا پابند، اور اُس کی فریب کاریوں کا تاجر، مَوت کا قرضدار، اجل کا قیدی، غموں کا حلیف، حزن و ملال کا ساتھی، آفتوں میں مُبتلا، نفس سے عاجز اور مرنے والوں کا جانشین ہے

بعدہ، تمھیں معلوم ہونا چاہیے، کہ میں نے دُنیا کی رُوگردانی زمانہ کی مُنہ زوری اور آخرت کی پیش قدمی سے جو حقیقت پہچانی ہے وہ اِس امر کے لیے کافی ہے کہ مجھے دُوسرے تذکروں اور اپنی فکر کے علاوہ دُوسری کوئی فکر نہ ہو مگر اسی وقت جبکہ دُوسروں کے فکر واندیشہ کو چھوڑ کر میں اپنی ہی دُھن میں کھویا ہوا تھا اور میری عقل و بصیرت نے مجھے خواہشوں سے منحرف و رُوگردان کر دیا اور میرا مُعاملہ کُھل کر میرے سامنے آگیا، اور مجھے واقعی حقیقت اور بے لاگ صداقت تک پہنچا دیا۔

مَیں نے دیکھا کہ تم میرا ہی ایک ٹکڑا ہو، بلکہ جو میں ہوں، وُہی تم ہو، یہاں تک کہ اگر تم پر کوئی آفت آئے تو گویا مُجھ پر آئی ہے اور تمھیں موت آئے تو گویا مجھ آئی ہے۔ اِس سے مجھے تمہارا اُتنا ہی خیال ہُوا، جتنا اپنا ہو سکتا ہے، لہٰذا میں نے یہ وصیت نامہ تمہاری رہنمائی میں اسے معین سمجھتے ہُوئے تحریر کیا ہے خواہ اس کے بعد میں زندہ رہوں یا دُنیا سے اُٹھ جاؤں۔

میں تمھُیں وصیّت کرتا ہُوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اس کے احکام کی پابندی کرنا، اُس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا، اور اُسی کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، تمھارے اور اللہ کے درمیان جو رشتہ ہے اس سے زیادہ مضبوط رشتہ ہو بھی کیا سکتا ہے؟ بشرطیکہ مضبوطی سے اُسے تھامے رہو، وعظ و پند سے دل کو زندہ رکھنا، اور زُہد سے اُس کی خواہشوں کو مُردہ۔ یقین سے

اُسے سہارا دینا اور حکومت سے اُسے پرُنور بنانا۔ اُسے ٹھہرانا۔ موت کی یاد سے اُسے قابو میں کرنا۔ فنا کے اقرار پر اُسے ٹھہرانا۔ دُنیا کے حادثے اُس کے سامنے لانا۔ گردش روزگار سے اُسے ڈرانا۔ گزرے ہوؤں کے واقعات اس کے سامنے رکھنا۔ تمھارے پہلے والے لوگوں پر جو بیتی ہے اُسے یاد دلانا۔ اُن کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا، اور دیکھنا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا، کہاں سے کُوچ کیا، کہاں اُترے، اور کہاں ٹھہرے ہیں۔ دیکھو گے تو تمھیں صاف نظر آئیگا کہ وہ دوستوں سے مُنہ موڑ کر چل دیئے ہیں، اور پردیس کے گھر میں جا کر اُترے ہیں اور وہ وقت دُور نہیں کہ تمہارا شمار بھی اُن میں ہونے لگے، لہٰذا اپنی اصل منزل کا انتظام کرو۔ اور اپنی آخرت کا دُنیا سے سودا نہ کرو۔ جو چیز جانتے نہیں ہو، اُس کے متعلق بات نہ کرو۔ اور جس چیز کا تُم سے تعلق نہیں ہے اُس کے بارے میں زبان نہ ہلاؤ، جس راہ میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہو اُس راہ میں قدم نہ اُٹھاؤ، کیونکہ بھٹکنے کی سرگردانیاں دیکھ کر قدم روک لینا، خطرات مُول لینے سے بہتر ہے، نیکی کی تلقین کرو تا کہ خُود بھی اہل خیر میں محسُوب ہو۔ ہاتھ اور زبان کے ذریعہ بُرائی کو روکتے رہو۔ جہاں تک ہو سکے بُروں سے الگ رہو۔ خدا کی راہ میں جہاد کا حق اُدا کرو، اور اِس کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ لو۔ حق جہاں ہو، سختیوں میں پھاند کر اُس تک پہنچ جاؤ۔ دین میں سُوجھ بُوجھ پیدا کرو، سختیوں کو جھیل لے جانے کے خُوگر بنو، حق کی راہ میں صبر وشکیبائی بہترین سیرت ہے۔ ہر معاملہ میں اپنے کو اللہ کے حوالے کر دو، کیونکہ ایسا کرنے سے تُم اپنے کو ایک مضبوط پناہ گاہ اور قومی مُحافظ کے سُپرد کر دو گے صرف اپنے پروردگار سے سوال کرو، کیونکہ دنیا اور دین بس اُسی کے اختیار میں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے اللہ سے بھلائی کے طالب ہو۔ میری وصیت کو سمجھو اور اِس سے رُوگردانی نہ کرو، اچھی بات وُہی ہے جو فائدہ دے۔ اور اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جو فائدہ رساں نہ ہو۔ اور جس علم کا سیکھنا سزاوار نہ ہو، اُس سے کوئی فائدہ بھی نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

اے فرزند! جب میں نے دیکھا کہ کافی عمر تک پہنچ چکا ہوں اور دن بدن ضعف بڑھتا جا رہا ہے تو مَیں نے وصیت کرنے میں جلدی کی اور اُس میں کچھ اہم مضامین درج کئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت میری طرف سبقت کر جائے اور دل کی بات دل ہی میں رہ جائے یا بدن کی طرح عقل و رائے بھی کمزور پڑ جائے یا وصیت سے پہلے ہی تم پر کچھ خواہشات کا تسلط ہو جائے، یا دنیا کے جھمیلے تمھیں گھیر لیں کہ تم بھڑک اُٹھنے والے مُنہ زور اُونٹ کی طرح ہو جاؤ۔ کیونکہ کم سن کا دل اس خالی زمین کے مانند ہوتا ہے، جس میں بیج ڈالا جاتا ہے اُسے قبول

کرلیتی ہے، الہٰذ قبل اس کے تمہارادل سخت ہوجائے اور تمہاراذہن دُوسری باتوں میں لگ جائے
۔میں نے تعلیم دینے کے لئے قدم اُٹھایا تا کہ تم عقلِ سلیم کے ذریعہ ان چیزوں کے قبول کرنے
کیلیئے آمادہ ہوجاؤ کہ جن کی آزمائش اور تجربہ کی زحمت سے تجربہ کاروں نے تمہیں بچالیا ہے اِس
طرح تم تلاش کی زحمت سے مُستغنی اور تجربہ کی کلفتوں سے آسُودہ ہوجاؤ گے اور تجربہ وعلم کی وُہ
باتیں (بے تعب ومشقت) تم تک پہنچ رہی ہیں کہ جن پر ہم مطلع ہوئے اور پھر وہ چیزیں بھی
اُجاگر ہوکر تمہارے سامنے آرہی ہیں کہ جن میں سے کچھ ممکن ہے، ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئی
ہوں۔ (۹)

اے فرزند! اگرچہ میں نے اِتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھیں۔ پھر بھی
میں نے اُن کی کارگزاریوں کو دیکھا، اُن کے حالات و واقعات میں غور کیا اور اُن کے چھوڑے
ہوئے نشانات میں سیروسیاحت کی، یہاں تک کہ گویا میں بھی انہی میں کا ایک ہو چکا ہوں، بلکہ اُن
سب کے حالات ومعلومات جو مجھ تک پہنچ گئے ہیں اُن کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے اُن کے
اوّل سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گزاری ہے چنانچہ میں نے صاف کو گندلے اور نفع کو
نقصان سے الگ کر کے پہچان لیا ہے، اور اب سب کا نچوڑ تمہارے لیے مخصُوص کر رہا ہوں اور میں
نے خوبیوں کو چُن چُن کر تمہارے لئے سمیٹ دیا ہے اور بے معنی چیزوں کو تم سے جُدا رکھا ہے، اور
چونکہ مجھے تمہاری ہر بات کا اتنا ہی خیال ہے جتنا ایک شفیق باپ کو ہونا چاہیے اور تمہاری اخلاقی
تربیت بھی پیشِ نظر ہے۔ لہٰذا مناسب سمجھا ہے کہ یہ تعلیم وتربیت اس حالت میں ہو کہ تم نوعمر اور
بساطِ دہر پر تازہ وارد ہو، تُمہاری نیت کھری اور نفس پاکیزہ ہے اور میں نے چاہا تھا کہ پہلے کتاب ۱۰
خُدا احکامِ شرع اور حلال وحرام کی تعلیم دُوں، اور اسکے علاوہ دُوسری چیزوں کا رُخ نہ کروں، لیکن یہ
اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ چیزیں جن میں لوگوں کے عقائد اور مذہبی خیالات میں اختلاف ہے تم پر اُسی
طرح مُشتبہ نہ ہو جائیں جیسے اُن پر مشتبہ ہوگئی ہیں۔ باوجودیکہ ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے مجھے ۱۱
ناپسند تھا، مگر اس پہلو کو مضبوط کر دینا تمہارے لیے مجھے بہتر معلوم ہوا۔ اس سے کہ تمہیں ایسی
صُورتِ حال کے سپرد کردوں جس میں مجھے تمہارے لیے ہلاکت وتباہی کا خطرہ ہے اور میں
اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تمہیں ہدایت کی توفیق دے گا، اور صحیح راستے کی راہنمائی کرے گا۔ اِن وجوہ
سے تمھیں یہ وصیت نامہ لکھتا ہوں



سرگوشی

زندگی کے تنہا سفر میں
پُر پیچ رستے
نامہرباں لوگ
اُن کے ناروا رویّے ہونگے
تو میں سخن گزیدہ
شکستہ خاطر
حیراں حیراں
گریاں گریاں
تیرے مرقد پہ آؤں گا
مجھے اپنی مہرباں دعاؤں کے
حصار میں لے لینا

سید مشتاق مہدی